سیاہ جھنڈے

داعش کی داستان

مصنف: وہارا امبا کر

فہرست

بادشاہ کا فیصلہ 2

الجفر کا قیدی 7

عراق کی جنگ 11

بڑا حملہ 15

ویڈیو 19

شادی کے مہمان 23

تاریخ عراق کا اک باب ختم ہوا 28

داعش کی پیدائش 33

سیاہ جھنڈوں کی آمد 37

رقہ کی فتح 42

خلافت کا قیام 46

پائلٹ 51

انجام 56

بادشاہ کا فیصلہ

شاہ حسین نے اپنی موت سے دو ہفتے پہلے اپنے بڑے بیٹے حسین کو اپنے پاس بلایا۔ وہ ایک فیصلہ کر چکے تھے، جس نے اس نوجوان کی اور اس ملک کی قسمت پر بہت اثر ڈالنا تھا۔

شاہ حسین ابھی امریکہ سے واپس آئے تھے جہاں وہ چھ ماہ ہسپتال میں داخل رہے تھے تا کہ لمفوما کا علاج ہو سکے لیکن کینسر شدت کے ساتھ واپس آیا تھا اور ڈاکٹروں نے بتا دیا تھا کہ ان کے پاس وقت بہت کم ہے۔ 22 جنوری 1999 کو انہوں نے عبداللہ کو فون کیا۔ ان کے 36 سالہ بیٹے آرمی کمانڈر تھے اور اپنے ملٹری کیریئر کے پیچ میں تھے اور کہا کہ فوری ان کے پاس پہنچیں۔

عبداللہ عمان کی پہاڑی پر واقع اس محل میں پہنچے۔ ان کے والد کمزور اور نقاہت کا شکار تھے۔ کیمیو تھراپی کی وجہ سے ان کے بال اور داڑھی گر چکے تھے۔ کمرے سے سب کو نکال کر انہوں نے اپنے بیٹے کو کہا، "میں تمہیں ولی عہد بنانا چاہتا ہوں"۔

تین دہائیوں سے یہ عہدہ ان کے بھائی حسن کے پاس تھا۔ شہزادہ عبداللہ نے اپنا وقت ٹینک چلاتے، ہیلی کاپٹر اڑاتے اور پیراشوٹ سے چھلانگیں لگاتے گزارا تھا۔ سیاست اور محلاتی معاملات میں کبھی دلچسپی نہیں دکھائی تھی۔ ان کا شوق ملٹری تھا۔ اب ان کے والد ایسے کام کا کہہ رہے تھے جو خطروں بھرا تھا جس میں ایک بڑا مسئلہ فیملی کے چچا کا کیا ہو گا؟ "عبداللہ کا اپنے والد سے یہ سوال تھا۔ "ساتھ ہونے والا ممکنہ تصادم تھا۔

بادشاہ نے فیصلہ کر لیا تھا۔ اس سے کچھ روز بعد اپنے بھائی کو کھلے خط کے ذریعے اس سے آگاہ کیا۔ شاہی خاندان کے کچھ افراد سے مایوسی کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ یہ تخت اس کے پاس جائے گا جس کو بادشاہ بننے کی خواہش نہیں ہے۔ اپنے بھائیوں، گیارہ بچوں اور بھتیجوں میں سے یہ انتخاب عبداللہ تھے۔

عبداللہ نے زندگی کا ایک بڑا حصہ اردن سے باہر گزارا تھا۔ پہلے برطانیہ سے سکول اور پھر امریکہ سے یونیورسٹی میں پڑھا تھا۔ واپس آ کر عام فوجی کی طرح کیریئر شروع کیا تھا۔ وہی بیرک اور وہی راشن، جو اردن کے کسی بھی

کمشنڈ آفیسر کے حصے میں آتی ہیں۔ ترقی کے زینے طے کرتے ہوئے اب سینئیر عہدے پر تھے لیکن ان کا شوق تھرل کا تھا۔ خاص طور پر ان مواقع کی تلاش میں رہتے تھے جب وہ سپیشل فورسز کا حصہ ہوں۔ اس سے ایک سال پہلے انہوں نے خود ایک مجرموں کے بڑے گینگ کے خلاف آپریشن کی قیادت کی تھی۔ سڑکوں پر ہونے والی یہ جھڑپ ٹی وی پر لائیو نشریات کا حصہ بنی تھی۔

اب بادشاہ کا ایک فقرہ یہ سب کچھ تبدیل کرنے لگا تھا۔ بادشاہ نے ساتھ ہی یہ بتایا کہ ان کی زندگی بس آخری دموں پر ہے۔ عبداللہ بعد میں بتاتے ہیں۔ "مجھے ایسے لگا کہ میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی ہو۔ یہ میری زندگی کا وہ پہلا موقع جب میں نے اپنے آپ کو تنہا محسوس کیا"۔

شاہ حسین نے سب کچھ اپنے بیٹے کے سپرد کر کے علاج کی ایک آخری کوشش کے لئے امریکہ جانے کا فیصلہ کیا۔ اپنے والد کو جب 29 جنوری کو ائیر پورٹ چھوڑنے گئے تو عبداللہ کو اندازہ تھا کہ وہ والد کو آخری بار دیکھ رہے ہیں۔ بادشاہ جلد ہی واپس آ گئے۔ نصف صدی تک اردن پر حکومت کرنے والے بادشاہ جب واپس آئے تو ہوش میں نہیں تھے۔ انہیں عمان کے شاہ حسین میڈیکل سنٹر لے جایا گیا۔ 7 فروری 1999 کو دوپہر کو ملک بھر میں ٹی وی نشریات بند ہو گئیں۔ عبداللہ آخری گھنٹوں میں والد کے ساتھ تھے۔ وہ اپنے والد سے ملک کو چلانے کی کوئی نصیحت نہیں لے سکتے تھے۔ اردن کو چلانے کی، جو ہمیشہ بحرانوں کا شکار رہا تھا۔

اردن نامی کوئی ملک بیسویں صدی سے پہلے تاریخ میں موجود نہیں رہا۔ ایک ہزار سال سے دریائے اردن کے مشرق میں زمین اسلامی خلافت اور سلطنتوں کا حصہ رہی۔ دمشق اور بغداد سے یہاں حکومت رہی۔ جب ترکوں کی عثمانیہ سلطنت آئی تو انہوں نے حجاز پر ہاشمیوں کو حکومت کرنے کی اجازت دی اور ان کے پاس محدود آزادی رہی۔ ہاشمی خاندان کا نو سو سال سے مکہ پر کنٹرول تھا۔ دسویں صدی سے مقاماتِ مقدسہ ان کے پاس تھے۔ بیسویں صدی میں ایک ہاشمی کی آرزو نے اس خاندان کی قسمت اور مشرقِ وسطیٰ کا نقشہ بدل دیا۔

شریف حسین بن علی مکہ کے 78 ویں امیر تھے۔ شاہ حسین کے پردادا اس وقت اقتدار میں آئے تھے جب عثمانی

سلطنت منہدم ہو رہی تھی۔ ترکوں نے پہلی جنگِ عظیم میں جرمنوں کا ساتھ دیا۔ شریف حسین نے برطانیہ کے ساتھ بات چیت شروع کر دی کہ بغاوت شروع کی جا سکے تا کہ عرب ترکوں سے آزادی حاصل کر سکیں۔ 1916 میں انہوں نے برطانیہ اور اتحادی افواج کا ساتھ ترکوں کے خلاف اس شرط پر دینے کا فیصلہ کیا کہ برطانیہ نئی عرب اسلامک قوم کو تسلیم کرے گا۔ شریفِ مکہ کے چار بیٹے۔۔۔ علی، فیصل، عبداللہ اور زید۔۔۔ عظیم عرب بغاوت میں عرب افواج کی قیادت کرتے رہے۔ (اس میں برطانوی فوجی افسر لارنس کو فلم سازوں اور تاریخ لکھنے والوں نے لارنس آف عریبیہ سے مشہور کیا ہے)۔

عرب جیت گئے۔ برطانیہ اور فرانس نے عثمانیہ سلطنت کو تقسیم کر دیا۔ نقشے بنائے گئے جس میں نئے ممالک ایجاد ہوئے۔ عراق اور سیریا بنے۔ دریائے اردن اور بحیرہ روم کے درمیان اسرائیل بنایا گیا۔ اس دریا کے مشرق میں بدو قبائل اور وسیع صحرا میں برطانیہ نے شریف حسین کے تیسرے بیٹے عبداللہ اول کے لئے ایک ملک بنا دیا۔ اس کو پہلے ٹرانس جورڈن کی امارات کہا گیا اور پھر ہاشمیوں کی اردن کی سلطنت۔ نہ تاریخ میں ایسا ملک پہلے رہا تھا اور نہ ہی اس خطے میں پھیلے قبائل کی کوئی قومی شناخت تھی۔ نہ ہی تیل یا گیس کے بڑے ذخائر تھے، نہ زراعت کے لئے پانی۔ ان کا امیر عبداللہ بھی باہر سے آیا تھا۔ عام خیال تھا کہ ٹرانس جورڈن جلد ہی ختم ہو جائے گا اور اس کے بڑے ہمسائیوں میں سے کوئی اس پر قبضہ کر لے گا۔

ان کو پہلا سنجیدہ خطرہ نجد سے آیا جب اخوان قبائل نے ان پر 1920 کی دہائی میں حملہ کیا۔ سعود خاندان نے اس حملے پر قابو پانے میں مدد کی۔ پھر 1960 کی دہائی کے آخر میں فلسطینی گوریلوں نے اردن کی ریاست کو چیلنج کیا۔ فلسطین سے آنے والوں نے اردن کی فوج پر حملے کئے اور شاہ حسین کو کئی مرتبہ قتل کرنے کی کوشش کی۔ بادشاہ نے جواب میں آپریشن شروع کیا جو بلیک ستمبر کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس میں ہزاروں فلسطینی عسکریت پسند مارے گئے اور بہت سے فلسطینیوں کو سیریا اور لبنان کی طرف دھکیل دیا گیا۔ سخت لڑائی فلسطین کے شہر زرقہ میں ہوئی۔

خطے میں بدامنی اردن کی سرحد کو 1980 کی دہائی میں پار کر آئی۔ اس کی وجہ فلسطین میں ہونے والا انتفادہ اور افغانستان میں ہونے والی جنگ تھی جس میں شرکت کرنے سینکڑوں اردنی رضاکار گئے تھے اور نئے خیالات اور عسکری مہارتیں لے کر واپس آئے تھے۔

دوسرے عرب حکمرانوں کی طرح اردن کے بادشاہ نے طاقتور اور بے رحم انٹیلی جنس نیٹ ورک بنائے کہ انتہاپسندوں کو قابو میں رکھا جاسکے۔ ساتھ ساتھ معتدل اسلام پسند جماعتوں کو سیاسی آزادی بھی دی۔ اسلامک فرنٹ اردن کی سیاست میں ہمیشہ سے نمایاں کردار ادا کرتا رہا ہے، کبھی حکومت میں رہی اور کبھی مخالف لیکن سیاسی عمل کا حصہ ہمیشہ رہی ہے۔

شاہ عبداللہ نے بادشاہ بنتے ہی خاندان کے معاملات نپٹانے کے ساتھ ساتھ خطے کا دورہ شروع کیا۔ اردن خطے میں تنہا تھا۔ خلیج کی جنگ میں تمام عرب ممالک نے صدام حسین کے خلاف امریکی حملے کی حمایت کی تھی۔ اردن اس میں نیوٹرل رہا تھا۔ یہ خطا معاف نہیں کی گئی تھی۔ شاہ عبداللہ نے سعودی عرب اور دوسرے ممالک سے تعلقات واپس ٹھیک کرنے کے لئے دورے کئے اور یہ مرمت کامیابی سے ہوئی۔ اسرائیل کے ناپسند کئے جانے والے وزیرِ اعظم نیتن یاہو کو کھانے پر مدعو کیا۔ یہاں تک کہ دیرینہ حریف شام کے آمر حافظ الاسد کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے بشار الاسد کے ساتھ بھی دوستی کی۔

عراق، شام، اسرائیل اور سعودی عرب کے درمیان گھرے ہوئے اس چھوٹے ملک کو اگلے برسوں میں کئی بڑے چیلنجوں کا سامنا کرنا تھا۔

JORDAN
LEBANON
Mediterranean Sea
Lake Tiberias
SYRIAN ARAB REPUBLIC
IRAQ
Irbid
As Salt
Az Zarqā'
Gaza Strip
West Bank
Amman
Mādabā
Ak Karak
ISRAEL
SAUDI ARABIA
EGYPT
Aqaba
25 km

الجفر کا قیدی

داعش اپنی طرز کی ایک انوکھی تنظیم تھی۔ ایک وقت میں ایک بڑے ملک جتنے علاقے پر قابض تھی۔ اس کا اور اس کی قائم کردہ دہشت ناک خلافت کا بڑی حد تک صفایا ہو گیا۔ یہ تنظیم کیا تھی؟ کیوں آئی؟ کہاں گئی؟ اس کا جواب عراق کی جنگ اور شام کی خانہ جنگی میں ہے لیکن اس سے پہلے ہمیں اردن کی جیل کے ایک قیدی کو جاننا پڑے گا۔

اردن کی بدنام جیل قدیم قلعے الجفر میں تھی۔ اردن کے جنوب مشرقی لق و دق صحرا میں جہاں نہ گھاس ہے اور نہ پتھر۔ یہاں پر قدیم سمندر زمانوں پہلے خشک ہو چکا اور ایک خاموش اور خوفناک تنہائی ہے۔ یہاں پر برطانوی حکومت نے خطرناک قیدیوں کے لئے جیل بنوائی تھی۔ برسوں بعد ہاشمی حکومت فلسطینی عسکریت پسندوں کو یہاں پر رکھتی تھی جب اس جگہ پر سینکڑوں لوگ بدترین حالات میں رہتے تھے۔ پٹائی کئے جانا، الٹا لٹکائے جانا، سگریٹ سے داغے جانا جیسے حربے استعمال کئے جاتے تھے۔ اقوامِ متحدہ میں انسانی حقوق کی طرف سے اس کو کڑی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ اس جیل کو بالآخر 1979 میں بند کر دیا۔ اس کو بچھوؤں اور اپنے بھوتوں اور قصوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اردن فلسطینیوں کے ساتھ اس باب کو ختم کر چکا تھا۔ ملک آگے بڑھ گیا تھا۔

اس جیل کو واپس 1998 میں کھولا گیا۔ اردنی حکومت دوسری جیلوں میں کئی شدت پسند قیدیوں کے ہاتھوں پریشان تھی۔ افغانستان سے پلٹنے والے اور افغان عرب کہلانے والے کئی قیدی جیلوں میں دوسروں پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ حکومت ان کا اثر پھیلنے سے روکنا چاہتی تھی۔ اس کے لئے نظر انتخاب الجفر جیل بنی۔ یہاں پر آنے والے پچاس قیدیوں میں ابو محمد المقدیسی بھی تھے اور زرقہ سے تعلق رکھنے والے احمد فضیل الخلایلہ بھی۔

مقدیسی، جن کی لکھی کتابیں انتہا پسندوں میں مقبول تھیں جس میں وہ مسلم دنیا کے حکمرانوں کو قتل کرنا مسلمانوں کے لئے دینی فریضہ قرار دیتے تھے۔ (لیکن القاعدہ کے اندر ایک معتدل چہرہ سمجھے جاتے تھے)۔ ان کے شاگرد احمد کا مزاج ان سے بڑا مختلف تھا۔ ایک مشکل بچپن والا شخص جس نے یہاں پر 2009 تک رہنا تھا۔ اس کو سزا بیت الامام تنظیم کے ممبر کی حیثیت سے ہوئی تھی جس میں احمد کو اردن اسرائیل سرحد پر خودکش حملوں کے منصوبے کی تیاری کے دوران پکڑا گیا تھا۔

احمد فضیل اپنی تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے۔ اپنے لڑکپن میں نشے میں دھت ہو کر غل غپاڑہ کرنے اور مار پیٹ

کرنے میں شہرت رکھتے تھے۔ بازو پر بنوایا گیا ٹیٹو ان دنوں کی یادگار تھا۔ اس ٹیٹو کو بعد میں چھیل دیا تھا لیکن یہاں پر نشان مستقل رہ گیا تھا۔ والدہ نے ان کو اصلاح کے لئے ایک مبلغ کے پاس بھیجنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے کردار میں ڈسپلن تو آ گیا تھا لیکن طبیعت کا غضب نہیں گیا تھا۔ احمد نے کئی برس سال پشاور میں گزارے تھے اور یہاں پر حیات آباد سے شائع ہونے والے جریدے البنیان المرصوص کے لئے مضامین کا عربی میں ترجمہ کرتے تھے۔ لیکن اپنی طبیعت، جیل میں کئے جانے والے تشدد اور مقدیسی کی شاگردی میں گزارے وقت نے انہیں وہ بنا دیا تھا جس سے انہوں نے شہرت پائی۔ یہ القاعدہ عراق کے لیڈر بنے اور ابو مصعب الزرقاوی کہلائے۔ ان کے متشدد طریقے اس قدر ہولناک تھے کہ انہوں نے عراق کا اور پھر شام کا معاشرہ بدلنا تھا اور آگے چل کر داعش کی بنیاد ڈالی تھی۔ اسامہ بن لادن اور پھر ایمن الظواہری تک نے (جنہوں نے پاکستان میں پہلا خودکش حملہ کروایا) ان کے طریقوں کی وجہ سے ان سے بعد میں علیحدگی اختیار کر لی۔

شاہ عبداللہ حسین نے اقتدار سنبھالنے کے بعد نئے اتحاد بنائے۔ اپنے چچا سے وفادار افسروں کی برطرفی کے ساتھ ساتھ خاندان کو اکٹھا رکھنے کے اقدامات کئے۔ روایات کے مطابق خیر سگالی کے لئے کئی قیدیوں کی سزاؤں میں تخفیف اور کئی کو معاف کیا گیا۔ 29 مارچ 1999 کی شام کو شاہی معافی کے تحت آزاد ہونے والے لوگوں کو اردن کے دارالحکومت عمان لے جانے کے لئے پولیس وین الجفر جیل پہنچی۔ معافی کی فہرست میں جن لوگوں کا نام شامل تھا، اس میں الجفر میں سزا کاٹنے والے احمد فضیل کا نام بھی تھا۔

ابو مصعب الزرقاوی اب آزاد تھے۔

اس سے چھ مہینے بعد ان کے پاس پاکستان کا ویزہ اور پشاور کا ٹکٹ تھا۔ اپنے والدہ کے ساتھ ائرپورٹ پہنچے تھے اور پشاور جانے کی وجہ پشاور میں شہد کا کاروبار کرنا بتائی تھی۔

پاکستان میں ان کا پڑاؤ کامیاب نہیں رہا۔ پاکستان عرب سے آنے والے مجاہدین کے لئے بچھا خوش آمدیدی قالین اٹھا چکا تھا۔ ان کو بتا دیا گیا تھا کہ ان کو ویزے سے زیادہ مدت نہیں رہنے دیا جائے گا۔ وہ چیچنیا جانا چاہتے تھے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ انکا اگلا پڑاؤ قندھار تھا۔

قندھار میں ان کی ملاقات اسامہ بن لادن سے ہوئی۔ القاعدہ پھیلنا چاہتی تھی۔ اردن اور فلسطین میں اس کے شاخیں نہیں تھیں اور یہ اہم ممالک تھے۔ کیا زرقاوی یہ خلا پورا کر سکتے تھے؟ ان پر اعتبار کیسے کیا جائے؟ القاعدہ

کے راہنما العادل نے ایک تجویز پیش کی کہ زرقاوی کو اپنا کیمپ چلانے دیا جائے تاکہ صلاحیتوں کا اور بھروسے کا اندازہ ہو سکے۔ القاعدہ ابتدائی فنڈنگ کر دے گی اور دور سے دیکھی گی۔ اس کیمپ میں اردن، شام، عراق اور ترکی سے آنے والے رضاکار تربیت پائیں گے۔

زرقاوی نے اس تجویز پر غور کر کے اس کو قبول کر لیا۔ یہ کیمپ ہرات میں قائم ہوا۔ ابتدا میں اس میں آنے والے ان کے پرانے دوست تھے۔ پھر دوسرے رابطوں کے ساتھ یہاں پر اور لوگ بلائے گئے۔ دو مہینوں میں 42 لوگ یہاں آ چکے تھے۔ زرقاوی دوسری شادی کر کے یہاں پر رہنے لگے تھے۔

لیکن یہ زیادہ عرصہ نہیں چلا۔ گیارہ ستمبر کے حملوں کے بعد یہاں ایک جنگ چھڑ گئی۔ اس کی ابتدائی ہفتوں میں ہی زرقاوی کا ہرات کا کیمپ امریکی بمباری کا نشانہ بن گیا۔ اس میں زرقاوی زخمی ہو گئے۔ گرے ہوئے ملبے کے نیچے ان کی پسلیاں فریکچر ہو گئیں۔ انکو یہاں سے بھاگنا پڑا۔ اگلا پڑاؤ عراق کے شمال مشرقی پہاڑوں میں ایرانی سرحد کے قریب کرد علاقے کا گاؤں تھے۔ اس وادی کے دیہاتوں پر افغان جنگ سے آنے والئے مجاہدین نے انصار السلام کے نام سے تنظیم بنائی تھی۔ دیہاتوں میں شریعت نافذ کی تھی۔ نہ ہی عراقی حکومت کا یہاں کوئی کنٹرول تھا اور نہ ہی کردوں کا۔ دونوں ہی اس سے خائف تھے۔ سرگات کے گاؤں میں زرقاوی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اور القاعدہ کے محض چند ہزار ڈالروں کے ساتھ پہنچے تاکہ افغان کیمپ یہاں دوبارہ شروع کیا جا سکے۔

اس سے پہلے تک زرقاوی کے لئے بدترین دشمن اسرائیل اور اردن کی حکومت تھی۔ ہرات میں ان پر ہونے والے حملے نے اس میں امریکہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ جنگ، جیل اور افغان کیمپ نے ان کی کردار سازی کی تھی۔ اپنے آپ کو لیڈر کے طور پر دیکھتے تھے۔ افغانستان میں جنگ کے بعد اسامہ بن لادن روپوش تھے۔ زرقاوی ان سے بڑا لیڈر بننے کی خواہشمند تھے۔

افغانستان کے بعد امریکہ کو اس کی طاقت کا زعم عراق تک لانے لگا تھا۔ زرقاوی نے اس میں بڑا کردار ادا کرنا تھا۔

کو کالن پاول کی نصف سچ اور غلط نتائج سے بھری تقریر نے ان 2003 اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں 5 فروری کا کردار ہمیشہ کے لئے داغدار کر دیا۔ اس تقریر کے 61 ویں منٹ میں القاعدہ اور عراق کا تعلق دکھانے کے لئے زرقاوی کو دکھایا گیا تھا۔ یہ سچ تھا کہ زرقاوی کا تعلق القاعدہ سے تھا۔ یہ بھی سچ تھا کہ زرقاوی عراق میں تھے۔ لیکن اس سے نکالا جانے والا نتیجہ بالکل غلط تھا۔ سی آئی اے میں زرقاوی کی نگرانی کرنے والی نادا باکوس کہتی ہیں کہ "جب یہ سلائیڈ دکھائی جارہی تھی تو میں اپنے بال نوچ رہی تھی۔ سخت سیکولر صدام حسین اور القاعدہ میں واحد تعلق آپس کی دشمنی کا تھا"۔ کولن پاول کی تقریر نے زرقاوی کو دنیا میں متعارف کروادیا۔ اس سے کچھ روز بعد جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا تو سرگات کا گاؤں ابتدائی بمباری کا نشانہ بنا لیکن زرقاوی اس سے پہلے یہ علاقہ چھوڑ چکے تھے۔

ساتھ لگی تصویر الجفر جیل کی گوگل ارتھ سے لی گئی ہے۔ اردن میں جاری اصلاحات میں اس کو 2006 میں بند کر دیا گیا تھا۔ شاہ عبداللہ کا کہنا ہے کہ اب ہمیں وہ جیلیں بنانی ہیں جو لوگوں کی اصلاح کریں۔ جیلوں کی اصلاح کے پروگرام کیلئے اردن نے بھاری بجٹ رکھا ہے۔

عراق کی جنگ

بغداد میں جمعرات کی صبح دس بجے کچھ عراقی اردن کے سفارت خانے میں ویزہ حاصل کرنے کے لئے لائن میں لگے ہوئے تھے۔ 7 اگست 2003 کا گرم دن تھا۔ بغداد میں اس سے پہلے کبھی خودکش حملے نہیں ہوئے تھے۔ بازاروں اور مساجد میں بم نہیں پھٹے تھے۔ اردن ایک برادر ہمسایہ عرب ریاست تھی جس کے عراق کے ساتھ دیرینہ تاریخی اور کلچرل تعلقات تھے۔ لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔ اردن یہاں سے چھٹی منانے والوں کے لئے جانے کی جگہ تھی۔ یہاں کے گارڈز کا کام یہی تھا کہ ویزے کے لئے لگی قطار میں بدنظمی نہ ہو۔

اس پس منظر میں جب ایک سبز وین جب سیدھی سفارت خانے کے فرنٹ گیٹ پر پہنچی تو کسی کو خاص تشویش نہیں تھی۔ ایک نوجوان ڈرائیور نے کنکریٹ کے بیریئر سے چند فٹ دور رک کر گاڑی سے چھلانگ لگائی۔ اس سے پہلے کہ گارڈ یہ جاننے کے لئے اس تک پہنچتے کہ معاملہ کیا ہے، اس وین میں لگا ریموٹ کنٹرول بم پھٹ چکا تھا۔ اس قدر طاقتور بم کہ اس نے تیس فٹ گہرا گڑھا کر دیا۔ ویزے کے لئے آئے درخواست گزار اور گارڈ موقع پر ہلاک ہو گئے۔ سترہ عراقی اس میں مارے گئے جس میں ویزہ لگوانے کے لئے آنے والی فیملی کے ہمراہ بچے بھی شامل تھے۔ اس سے پہلے عراق جنگ میں کسی نے سویلین آبادی کو جان کر نشانہ نہیں بنایا تھا۔

عراق میں امریکہ بغیر پلان کے داخل ہوا تھا۔ اس پر امریکی غلطیوں پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں (اور لکھی جا چکی ہیں)۔ کسی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ صدام حسین کے بعد کرنا کیا ہے۔ امن و امان رکھنا کس کی ذمہ داری ہو گی؟ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ عام عراقیوں کے لئے زندگی کہیں زیادہ مشکل ہو گئی تھی۔ سیکورٹی فراہم کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ ابتدائی چند ہفتے کی آسان کامیابی کے بعد عراق میں امریکہ کے خلاف موڈ پہلے ہی جلد بدل گیا تھا۔ اس غاصب فوج سے کسی کی ہمدردی نہیں تھی۔

مزاحمتی گروہ انہی جذبات کو استعمال کر رہا تھا۔ اس کیلئے جو طریقہ اپنایا گیا تھا، وہ انتہائی موثر اور سفاکانہ تھا۔ عام لوگوں کو مار کر مزاحمت کرنے کا یہ ایک نیا طریقہ تھا۔

دوسرے دھماکے میں نشانہ بننے والے سرجیو، بغداد کا شاید وہ واحد غیر ملکی تھے، جن کو عراق میں ہر کوئی پسند کرتا تھا۔ برازیل سے تعلق رکھنے والے سسفار تکار جو اقوامِ متحدہ کے مشن کی سربراہی کر رہے تھے۔ عراقیوں کو خوراک اور ادویات پہنچانے کے علاوہ ان کا کام عراقی دھڑوں میں ریفری کا کردار ادا کرنا اور امریکیوں اور عراقیوں کے درمیان رابطے کا کام کرنا بھی تھا۔ وہ عراق کے وکیل کہے جاتے تھے۔ ان کی سیکیورٹی کے لئے پوسٹ قائم کرنے کی پیشکش کی گئی تھی لیکن انہوں نے اصرار کیا تھا کہ اقوامِ متحدہ کے آفس کو عسکری علامت یا قبضے کا نشان نہیں بننا چاہیے۔ ایسی کسی بھی چیز سے دور رہنا چاہیے۔ بغداد میں اقوامِ متحدہ نوے کی دہائی سے بغداد کینال ہوٹل کا استعمال کر رہی تھی۔ اس کے گرد حفاظتی دیوار تعمیر کی گئی تھی لیکن لوگ بغیر تلاشی کے آتے جاتے رہتے تھے۔

پہلے حملے کے بارہ روز بعد 19 اگست کو سرجیو تیسری منزل پر اپنے ڈیسک پر بیٹھے تھے۔ بارود سے بھرا ٹرک آ کر اس عمارت سے ٹکرایا جس نے ٹرک کے ساتھ ہوٹل کو اڑا کر رکھ دیا۔ سرجیو سمیت اقوامِ متحدہ کے بائیس لوگ اس میں مارے گئے۔ اقوامِ متحدہ کے کسی بھی مرکز پر ہونے والا یہ سب سے بڑا حملہ تھا۔

اس سے دس روز بعد ایک اور حملہ اس بار بغداد میں نہیں، نجف میں ہوا۔ نمازِ جمعہ کے لئے امام علی مسجد میں آیت اللہ محمد باقر الحکیم کا خطبہ سننے لوگ اکٹھے ہوئے تھے۔ ایک بااثر شعیہ عالم جو صدام کے معزول کئے جانے کے بعد جلاوطنی سے واپس آئے تھے۔ مسجد کے منبر سے وہ امریکہ کی قابض افواج کے خلاف سخت تقریر کر رہے تھے اور اس پر کہ کس طرح عام عراقی کے لئے زندگی عذاب بن گئی ہے۔ امن و امان ختم ہو رہا ہے۔ ان کا پیغام یہ تھا کہ عراقیوں کا اکٹھا ہو کر کچھ کرنا ہے۔ ملکر عراق بنانا ہے اور قابض فوج کو باہر نکالنا ہے۔ حکیم اس کے بعد مسجد سے باہر نکلے تھے جب ایک کار بم کا دھماکا ہوا۔ اور پھر اس کے کچھ ہی دیر بعد ایک اور۔ اس سے 85 لوگ ہلاک اور پانچ سو زخمی ہوئے۔

امریکہ میں جنگ کے حامی عراق کی بگڑتی صورتحال کا انکار کر رہے تھے۔ سی آئی اے کی صاف الفاظ میں بھیجی رپورٹوں کا بھی کئی مہینے تک انکار کیا جاتا رہا۔ عراق میں امریکہ کی مسلط کردہ جنگ نے اس ملک میں ایک نئی طاقت کو کھول دیا تھا۔ عراق کی شمالی پہاڑیوں میں چھپے زرقاوی اب عراق کے دل میں موجود تھے اور روز بروز خطرناک تر ہو رہے تھے۔

زرقاوی نے اپنے نشانے بہت ہوشیاری سے چنے تھے۔ عرب سفارتخانہ، تاکہ عرب ممالک کی عراق کی تعمیرِ نو میں شرکت کی حوصلہ شکنی ہو۔ اقوامِ متحدہ، تاکہ غیر حکومتی تنظیمیں یہاں پر امداد کا کام کرنے سے باز رہیں۔ شیعہ مذہبی راہنما پر حملہ، تاکہ ملک میں شیعہ سنی کے درمیان خلیج بنائی جا سکے۔ امریکہ کی آمد سے قبل عراق میں سنی اور شیعہ کے درمیان کوئی سنجیدہ کشیدگی نہیں تھا۔ دونوں اکٹھے کام کرتے تھے۔ ایران کے خلاف لمبی جنگ عراقی شیعہ اور سنیوں نے ملکر لڑی تھی۔

زرقاوی کا نہ عراق سے تعلق تھا اور نہ عراق میں حکومت بنانے یا امن و امان سے دلچسپی تھی۔ انہوں نے اس کے بعد کئے جانے والے اگلے حملوں سے تین طرفہ جنگ چھیڑ دی تھی۔ تشدد سے بغاوت پر لکھی ابو بکر ناجی جہادی ویب سائٹس پر 2004 شئیر ہونے لگی اور ان حلقوں میں مقبول ہوئی۔ اس "کی کتاب" ادارۃ التوحش میں انتہا پسندی کے ذریعے اسلامی خلافت کے قیام کی سٹریٹیجی تھی۔ "ہمیں جہاد میں رحم کو دل میں کبھی نہیں لانا چاہیے۔ اگر ہم خون نہیں بہائیں گے اور نرمی ہمارے دل میں آ جائے گی تو ہم طاقت کھو دیں گے۔ لوگوں کو جہاد کی طرف مائل کرنے کے لئے ہمیں وہ ایکشن لینے ہیں جو اشتعال پیدا کریں اور لوگ جنگ میں شرکت کے لئے آئیں، خواہ مرضی سے یا پھر مرضی کے بغیر۔ اگر ہم کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں جنگ کو زیادہ سے زیادہ خون آشام بنانا ہو گا"۔

حملے جاری رہے۔ سب سے بڑا حملہ 2 مارچ 2004 کو دس محرم کو کیا گیا۔ بغداد اور کربلا میں ایک ہی وقت میں کئی نوجوان خودکش جیکٹیں پہنے جلوسوں میں شامل تھے۔ صبح دس بجے سب نے یہ حملہ کر دیا۔ کربلا میں مچنے والے افراتفری میں بھاگتے لوگوں پر فارنگ کی گئی۔ ہونے والے ایک درجن دھماکوں میں سینکڑوں افراد نشانہ بنے۔

امریکی غاصب فوج، ایران کی پشت پناہی رکھنے والے متشدد اور سفاک شیعہ عسکری گروہ اور ان کے مقابلے میں عراقی القاعدہ۔۔۔ یہ عراق کی سہہ فریقی جنگ تھی۔

زرقاوی کو عراق میں داخل ہوئے ایک سال بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ چند ہتھیاروں، تھوڑے سے کیش اور اپنی امنگیں لے کر آئے تھے۔ امریکی قابضین کو تنہا کرنا اور شیعہ اور سنی کمیونیٹی میں دراڑ پیدا کرنا ان کا مقصد تھا جس میں کامیاب ہوئے تھے۔ شہرت اور مقبولیت بھی پائی تھی۔ جس طرح انہوں نے امید کی تھی، عراق انتشار کا شکار تھا اور ان کے آنے والے نئی حربوں نے اس کو تیز تر کر دینا تھا لیکن ابھی ان کا ایک کام نامکمل رہتا تھا۔ وہ اپنی اصل اور بڑی نفرت کو نہیں بھولے تھے۔ اردن۔

ان کی والدہ کا انتقال 29 فروری 2004 کو کینسر سے لمبی جنگ کے بعد اردن میں ہوا تھا۔ اردن کی انٹلی جنس کئی ہفتوں نگرانی کرتی رہی تھی کہ ان کا بیٹا آئے گا یا نہیں۔ وہ نہیں آیا۔ زرقاوی کے ذہن میں اردن کے لئے ایک اور پلان تھا۔ اتنا بڑا کام جو القاعدہ نے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔

بڑا حملہ

زرقاوی کو اردن میں غیر موجودگی میں سزائے موت سنادی گئی۔ اس کا بدلہ لینے کے لئے ان کے ذہن میں ایک بڑا منصوبہ تھا۔ وہ کچھ ایسا کرنا چاہتے تھے جو اس سے قبل کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ ایک ایسا وار جس سے وہ تاریخ میں اپنا نام لکھوالیں۔ اس کے لئے زرقاوی نے اپنے افغانستان کے وقت کے ساتھی عزمی الجیوسی کا انتخاب کیا۔ عزمی نے بم بنانے کی تربیت ہرات کے کیمپ میں حاصل کی تھی اور اس میں اپنی ایک انگلی بھی گنوا بیٹھے تھے۔ کردستان میں انہوں نے انصار الاسلام کی کیمیکل لیب میں بھی کام کیا تھا۔ اب پلان الجیوسی کے تمام ٹیلنٹ کو استعمال کرنے کا تھا۔ ایک بہت بڑا بم جو عمارتیں گرا سکے اور ساتھ ہی اردن کے دارالحکومت میں زہریلی گیس کا بڑا بادل چھوٹ سکے۔ اگر ہوا نے مدد کی تو اس سے بہت بڑی تعداد میں لوگ مارے جاسکتے ہیں۔

شام سے تعلق رکھنے والے ڈینٹسٹ ابوغادیہ نے پٹرول کے ٹینکر کے ٹرک میں انہیں کسٹم سے بارڈر پار کروانے کا بندوبست کیا۔ ان کے پاس دھماکہ خیز مواد بنانے کے طریقے اور اردنی دینار تھے۔ جیوسی نے ایک پرانی گاڑی حاصل کی اور پھر سامان خریدنے نکل گئے۔ تین ٹرک خریدے گئے۔ دونے بم میں تبدیل ہونا تھا اور تیسرے نے کیمیکل سے بھرے جانا تھا۔ ان کے بمپر کو فولاد سے ویلڈ کیا گیا۔ جراثیم کش ادویات، پوٹاشیم سائینائڈ، ہائیڈروجن پر آکسائیڈ، گلسرین، ایسیٹون۔ الگ الگ جگہوں سے اتنی مقدار میں خریدے گئے کہ شک نہ گزرے۔ بیس ٹن مواد کو رکھنے کے لئے ابرید شہر میں ایک چھوٹا ویئرہاوس کرائے پر لیا گیا تھا۔ اس مشن پر کام کرنے والے بارہ افراد تھے جو اس کو زندگی کا آخری کام سمجھ کر ہی حصہ لینے آئے تھے۔

اس سب کی نگرانی عزمی الجیوسی کر رہے تھے۔ فون کا استعمال نہیں کیا جاتا تھا تاکہ اردن کی ایجنسی کہیں کچھ سن نہ لے۔ اس کا نشانہ انٹیلی جنس ایجنسی کو بنایا جائے، امریکی سفارت خانے کو، شاہی محل کو یا نئے بننے والے مکہ شاپنگ مال کو، یہ انتخاب جیوسی نے کرنا تھا۔ سب کچھ پلان کے مطابق جارہا تھا۔ "بڑا دن" صرف چند روز کے فاصلے پر تھا۔

اردن کے انسدادِ دہشت گردی کے ڈیپارٹمنٹ میں سرخ بتیاں جلنے لگی تھیں۔ شام کے قریب اربید شہر میں بڑی رقم لئے اجنبی خاص شاپنگ لسٹ کے مطابق خریداری کر رہے تھے۔ پرانے لیکن مضبوط ٹرک اور گاڑیاں

ان کے پاس ہونے کی خبر ملی تھیں۔ تفتیش پر پتا لگا تھا کہ ان کو خریدا نامعلوم ایجنٹوں کے ذریعے گیا ہے اور لکھوائے گئے فون نمبر اب کام نہیں کرتے تھے۔

مخبرات کے افسر ابو متز کے میز پر اب خریدے جانے والے کیمیکلز کے نام آنا شروع ہو گئے۔ مخبرات کچھ کیمیکلز کی فروخت کو ٹریک کر رہا تھا جو دھماکہ خیز مواد میں استعمال ہو سکتے تھے۔ ہو کیا رہا ہے؟ اب تلاش جاری تھی۔

قطر سے صحافت کی ڈگری لینے والے ابو متز قرآن کو کسی بھی جہادی سے کم نہیں جانتے تھے۔ گھنٹوں تک کسی تفتیش میں کسی ایک شخص کے ساتھ دلائل کے ساتھ تھیولوجیکل بحث کر سکتے تھے اور انتظار کے فن کو جانتے تھے۔ سابق جہادیوں سے دوستی بنا چکے تھے۔ ذاتی تعلقات کے اسی نیٹورک نے انہیں اس ٹرک کی مخبری کر دی۔ افغانستان سے واپس آنے والے نوجوان نے ایک زرد ٹرک دیکھا تھا۔ جھانک کر اندر دیکھنے پر اسے زیرے کی بوریاں نظر آئی تھیں (یہ دھماکہ خیز مواد میں استعمال ہوتا ہے)۔ پینٹ کے ڈبے اور ویلڈنگ مشین۔ ٹرک کے آگے لگا ہوا فولادی بیرئیر۔ اس نے یہ سب پہچان لیا تھا۔ اردنی ایجنسی کو سراغ مل گیا۔

جیوسی کو 18 اپریل کو صبح دو بج کر دس منٹ پر گھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ اس شام کو انٹیلی جنس کے ڈائرکٹر ابو ہیثم جب زیرِ حراست جیوسی کے کمرے میں داخل ہوئے تو جیوسی کے چہرے پر تھکن اور شکست کے آثار نمایاں تھے۔ یہ آسان کام تھا۔ ابو ہیثم نے شہد اور پنیر والی پیسٹری جیوسی کی طرف بڑھائی، "چلو کنافے کھاتے ہیں"۔

دو روز بعد جیوسی نے ابو متز کو اپنی تمام کہانی سنائی۔ ویڈیو کیمرے اس کو ریکارڈ کر رہے تھے۔ اگلے روز اردن کے اخبار سرخیوں سے بھرے ہوئے تھے کہ دہشت گردوں کے حملے کو کیسے ناکام بنایا گیا تھا۔ اس حملے میں مرنے والوں کی تعداد اسی ہزار تک جا سکتی تھی۔ جیوسی نے مکینک سے گئیر بدلوانے سے لے کر سرحد پار کرنے، اس کی فائننسنگ، جعلی کاغذات اور زہریلے مادوں کو کنستر میں رکھنے کے طریقوں کی تمام تفصیل بتا دی تھی۔ پھر حملے کے بارے میں بتایا۔

گاڑی سے لوگوں نے خود کار ہتھیار لھے کر نکلنا تھا۔ گارڈز کو قتل کرنا تھا۔ راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانا تھا۔ اس کے " بعد بڑے ٹرک کی باری تھی۔ اس پر لگا بمپر بھاری چیزوں کو ہلا سکتا تھا۔ دیوار کو بھی گرا سکتا تھا۔ اس نے چلتے رہنا

تھاجب تک کہ وہ انٹیلی جنس کی عمارت کے مرکز تک نہ پہنچ جاتا۔ یہاں پر آکر اس نے پھٹ جانا تھا۔ جو گارڈز مرنے سے بچ بھی جاتے، وہ جواب دینے کے قابل نہ رہتے۔ اس کے بعد اگلی گاڑیوں نے اس جگہ پر آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے پہنچنا تھا۔ کہیں پر بھی پارک کر دئے جانا تھا۔ میں دھماکے کرنے کا ماہر ہوں تو میرا اندازہ ہے کہ اس عمارت کا کچھ بھی باقی نہیں رہنا تھا"۔

جب اس حملے کی وجہ پوچھی گئی تو جیوسی نے کہا کہ وہ اپنے کمانڈر کے احکامات کے مطابق ایسا کر رہے ہیں، جس سے ان کی وفاداری ہر رات کے دنوں سے ہے۔ "ہم وفاداری میں سوال نہیں کرتے۔ ایسے مشن میں مر جانا عزت ہے۔ اگر میں مر جاؤں تو شہید ہوں گا۔ اور جن کو ماروں گا، وہ بھی جنت میں جائیں گے"۔

شاہ عبداللہ نے امریکہ کو عراق کے ایڈونچر سے منع کیا تھا۔ اس کے بعد بعث پارٹی کو تحلیل کر دینے سے منع کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا، "یہ پاگل پن ہے، اس سے انارکی اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا"۔ ان کی بات نہیں سنی گئی تھی۔ پال بریمر نے جواب دیا تھا، "ہم جانتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں"۔

ایک سنی ہونے کی حیثیت سے انہیں عراق کی سنی اقلیت کے جذبات کا احساس تھا جو اپنے آپ کو تنہا اور خوف زدہ محسوس کر رہے تھے۔ یہ جذبات لوگوں کو انتہا پسندی کی طرف دھکیل رہے تھے۔ اس آگ کو تیزی سے بھڑکانے والے سکینڈل ابو غریب کے جیل میں عراقیوں کی تذلیل کا تھا۔ شاہ عبداللہ نے جارج بش پر زور دیا تھا کہ وہ اس پر عراقی عوام سے معافی مانگیں (جب جارج بش نے یہ معافی مانگی تھی تو اردن کے بادشاہ ان کے ساتھ کھڑے تھے)۔

جب نیویارک میں ان سے سوال کیا گیا تھا کہ عراقیوں کی زندگی اب کیسی ہے۔ تو ان کا جواب تھا، "پہلے سے دس گنا بدحال ہیں۔ خاص طور پر خواتین۔ صدام کے دور میں مرد اور خواتین کے حقوق برابر تھے"۔

عبداللہ کے اس طرح صاف گوئی سے بات کرنے پر ڈک چینی کی بیٹی اور پال ولفووٹز (جو عراقی جنگ کی پالیسی کے آرکیٹکٹ تھے) نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنے خیالات اپنے پاس رکھیں۔

اردن اور امریکہ کی اچھی دوستی تھی لیکن شاہ عبداللہ کی امریکہ کی عراق پالیسی لئے کوئی ہمدردی نہیں تھی اور ان کی کہی باتیں بھی ٹھیک ثابت ہو رہی تھیں۔ عراق جل رہا تھا اور پورا خطہ لیپٹ میں لے رہا تھا۔ اردن اس سے بال بال بچا تھا۔

جیوسی کے اعترافِ جرم کی ٹیپ اردن اور دوسرے عرب میڈیا پر دکھائی گئی۔ زرقاوی نے بھی پبلک جواب ہاں، اردنی مخبرات کے دفتر کو اڑا دینے کا ہمارا پلان تھا۔ ہمارا اصل نشانہ اسرائیل ہے۔ ہم اس "انٹرنیٹ پر دیا۔ کے راستے میں آنے والی ہر چیز کو گرا دیں گے۔ اردن کے ساتھ ہماری لڑائی چلتی رہے گی۔ شاہ عبداللہ! بھیانک مستقبل تمہارا انتظار کر رہا ہے"۔

زرقاوی کے لئے یہ ناکامی ایک بڑا دھچکا تھی۔ یہ ان کے لئے عالمی شہرت حاصل کرنے کا موقع تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس نے گیارہ ستمبر پر امریکہ میں کئے گئے حملوں کو بھی گہنا دینا ہے۔ اس سب کا بندوبست کرنے پر عراقی القاعدہ نے اڑھائی لاکھ ڈالر خرچ کئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسے واقعات کامیاب ہوں تو سپورٹ کم نہیں، زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ وہ اردن کی ایجنسی سے بدلہ بھی لینا چاہتے تھے۔

انہوں نے اپنی شہرت حاصل کرنے کے لئے ایک اور طریقہ تلاش کر لیا۔ جہادی سپر سٹار بننے کے لئے صرف ایک قتل کافی تھا۔ یہ اپریل 2004 میں کیا گیا۔

فلاڈیلفیا کے ایک ٹیکنیشن کے ذہن میں کمیونیکیشن ٹاور کی سستی مرمت کرنے کا ایک طریقہ آیا تھا۔ کینیا میں کچھ کامیابی کے بعد اس کے ذہن میں نیا خیال کوندا تھا۔ نِک برگ اب مشہور ہونے والے تھت۔ جبکہ اردن میں القاعدہ کو بڑے دہشت گرد حملے کی کامیابی کے لئے اس کے بعد چند ماہ کا انتظار کرنا تھا۔

ویڈیو

کیمرہ کی لائٹ آن ہو گئی تھی۔ ابو مصعب الزرقاوی نے دونوں ہاتھوں سے ایک کاغذ تھام رکھا تھا جس سے پڑھنا شروع کیا۔ سیاہ کپڑے اور منہ ڈھکا ہوا۔ نارنجی سوٹ میں کمبل پر ایک شخص آگے بیٹھا ہوا تھا۔ ٹانگیں اور بازو رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔

مسلمانو، زبردست خبر ہے۔ نئے سویرے کی آمد ہے اور فتح کی ہوا چل رہی ہے"۔ زرقاوی کے ساتھ چار لوگ" سیاہ لباس میں رائفل اٹھائے کھڑے تھے۔ توجہ کمبل پر بیٹھے نوجوان کی طرف تھی۔ نکولس ایوان برگ کو معلوم نہیں تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

اس کمرے سے لانے سے پہلے برگ کو ایک کرسی پر بٹھا کر اسی کیمرہ کے آگے سوال کئے گئے تھے جس کے سکون سے جواب دئے تھے۔ "میرا نام نک برگ ہے۔ میرے والد کا نام مائیکل ہے۔ میری والدہ کا نام سوزن ہے۔ میرا ایک بھائی ڈیوڈ اور ایک بہن سارا ہے۔ میں فلاڈیلفیا میں ویسٹ چیسٹر میں رہتا ہوں"۔

چھبیس سالہ نک برگ ایک ٹیکنیشن تھے اور ان کا مواصلاتی آلات ٹھیک کرنے کا بزنس تھا۔ دو مہینے پہلے وہ سب کے منع کرنے کے باوجود عراق اکیلے اس امید سے پہنچے تھے کہ یہاں سے کام مل سکے گا۔ اس سے پہلے کینیا میں کام کرتے رہے تھے اور اب تھرل کے شوقین نک برگ نئی جگہ کی تلاش میں تھے۔ اونچے ٹاور پر چڑھ کر مرمت کرنے کی تھرل ان کا پیشہ بھی تھا اور مہارت بھی۔ مٹی کے بلاک کا استعمال ان کا اپنا ڈیزائن تھا جس کا تجربہ بھی کرنا چاہتے تھے۔ اس سے یہ مرمت کم لاگت پر ہو سکتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ عراق میں مواصلاتی نظام کی تعمیرِ نو میں ان کو کام مل سکتا ہے۔ موصل میں کھمبے پر چڑھے ہوئے نک برگ کو عراقی پولیس نے جاسوس سمجھ کر پکڑ لیا تھا۔ کچھ نہ ملنے پر 6 اپریل کو چھوڑ دیا گیا اور واپس جانے کا کہا گیا۔ انہوں نے بغداد سے واپسی کی ٹکٹ خریدی۔ 10 اپریل کو ان کی فلائٹ تھی۔ اس سے ایک دن پہلے اپنے ہوٹل سے غائب ہو گئے۔ ان کی فیملی ان کو ڈھونڈتی رہی۔

ایک ہائی وے کے اوور پاس میں 8 مئی کو کسی نے ایک چیز لٹکتی دیکھی۔ قریب جا کر یہ نارنجی رنگ میں ایک جسم نظر آیا جو رسی سے لٹک رہا تھا۔ اس کو کھینچ کر دیکھا تو ہاتھ اور پیر رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ اس کے نیچے خون آلود کمبل تھا اور ایک نوجوان کا کٹا ہوا سر۔ نکولس برگ مل گئے تھے۔

اس کے دو روز بعد ایک ویڈیو انٹرنیٹ پر نمودار ہوئی اور دیکھی جانے لگی۔ یہ عراق جنگ کا ایک مشہور نظارہ تھا۔ نک برگ زمین پر بیٹھے ہوئے، چہرے پر کوئی تاثر نہیں۔ پانچ نقاب پوش افراد ایک دیوار کے آگے کھڑے ہیں۔ درمیان والا شخص ایک سکرپٹ پڑھ رہا ہے۔ نارنجی سوٹ بدنام ابو غریب جیل کی علامت تھا۔

سکرپٹ پڑھتے شخص نے کہا، "کیا کوئی وجہ رہ گئی ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں؟ ایک مسلمان کیسے گھر میں سو سکتا ہے جب اسلام کو ذبح کیا جا رہا ہے، اس کی عزت تار تار کی جا رہی ہے اور ہر مسلمان کے لئے ابو غریب کی شرمناک تصاویر سب کے سامنے ہیں۔ کہاں گئی غیرت؟ کہاں ہے غصہ؟"۔

چند منٹ تک یہ جاری رہا۔ پھر امریکی صدر کو مخاطب کرتے ہوئے وارننگ دی گئی۔ "تمہارے لئے مشکل دن آ رہے ہیں۔ تم اور تمہارے فوجی اس روز کو پچھتائیں گے جب انہوں نے عراق میں قدم رکھ کر مسلمانوں کو للکارا تھا۔ ہم بدلہ خون سے لیں گے۔ تمہیں ایک کے بعد دوسری لاش، ایک کے بعد اگلا تابوت ملیں گے۔ ہر ایک کو اسی طرح ذبح کیا گیا ہو گا"۔

اس کے بعد زرقاوی نے ایک لمبا چاقو نکالا۔ دوسروں نے قیدی کو پکڑا۔ زرقاوی نے برگ کے بال ایک ہاتھ سے پکڑے اور دوسرے سے برگ کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔ ایک چیخ بلند ہوئی، تڑپتا جسم اور اگلے کئی سیکنڈ تک چاقو کام کرتا رہا۔ آخری مناظر میں سفید نقاب میں ملبوس زرقاوی کے ایک ساتھی نے کٹا ہوا سر فاتحانہ انداز میں کسی ٹرافی کی طرح اٹھایا اور پھر واپس رکھ دیا۔

ایک کم کوالٹی کے کیمرہ سے لی گئی 5 منٹ اور 37 سیکنڈ کی یہ ویڈیو ایک ایسا کام تھا جس کو کرنے کا کسی نے اس سے پہلے تصور نہیں کیا تھا۔ یہ فوری ہٹ ہوئی۔ امریکہ سے جنوبی ایشیا تک ان گنت کمپیوٹروں میں ڈاون لوڈ ہوئی۔ کچھ کو اسے دیکھ کر جھرجھری آئی، کسی نے اداسی سے دیکھا، کسی نے غصے سے، کسی کو ابکائی آئی۔ لیکن یہ دیکھی گئی۔ گھر گھر دیکھی گئی۔ یہ جہادی میڈیا کے ذریعے پھیلنے والی سب سے مقبول ویڈیو رہی۔ اس کے نیچے "ابو مصعب

الزرقاوی امریکی کو ذبح کرتے ہوئے "کا ٹائٹل لگایا گیا تھا۔

اس سے پہلے بھی ذبح کرنے کی ویڈیوز بنی تھیں۔ لیکن نک برگ کو نشانہ صرف اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ امریکی تھے اور انٹرنیٹ کے ذریعے اس کو پہنچانا آسان تھا۔ اس قسم کا کھلا شاک نیا تھا۔ القاعدہ عراق کی خاص بات یہ تھی کہ یہ اپنے حربوں کیلئے کوئی تاویل گھڑنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتی تھی۔

اب ہر ایک کی نگاہ میں تھا۔ "اس کے بعد سر کاٹے جانے کی ویڈیوز دھڑا دھڑ بننے لگیں۔ "ذبح کرنے والا شیخ زرقاوی کو اب عالمی شہرت مل گئی تھی۔ تنظیم کے لئے نئے لوگ بھرتی کرنا اور دنیا سے اپنی کاز کے فنڈ اکٹھے آسان تر ہو گیا۔ دہشت کی مارکٹنگ ایک نیا طریقہ تھا۔ "پبلسٹی جیسی بھی ہو، بری نہیں ہوتی"۔ اس کے بعد آنے والے ری ایکشن نے یہ مقولہ ایک بار پھر ٹھیک ثابت کر دیا۔

ساتھ لگی تصویر نک برگ کے والد کی، اس واقعہ کی پہلی برسی پر۔ مائیکل برگ پیسیفسٹ تھے اور ویت نام کی جنگ کے دور سے جنگ مخالف تھے۔ عراق میں جنگ کے فیصلے پر احتجاج کئے جانے والے مظاہروں میں شرکت کرتے رہے تھے۔

شادی کے مہمان

ساجدہ الرشاوی جب فجر کی نماز کے لئے اٹھی تھی تو اسے یقین تھا کہ یہ اس کا دنیا میں آخری دن ہے۔ علی کچھ گھنٹوں بعد اس کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں اگلے کام کی تیاری کرنے لگے جس کے لئے یہ عراق کا صحرا پار کر کے اردن کے دارالحکومت عمان پہنچے تھے۔ اگلے چند منٹوں میں دونوں کی جیکٹیں تیار تھیں۔ اتنی طاقتور کہ تباہی پھیلا سکیں لیکن اتنی پتلی کہ کپڑوں کے نیچے نمایاں نہ ہوں۔ ساجدہ نے جیکٹ پہنی۔ اس میں بال بیئرنگ سے بھری جیبیں محسوس کیں۔ تاریں اور سوئچ محسوس کئے۔ جیکٹ کو ایڈجسٹ کیا کہ وہ کاندھوں اور پیٹ پر ٹھیک فٹ آ جائے۔ آخر، خودکش جیکٹ کو بھی آرام دہ ہونا چاہیے۔ علی نے ساجدہ کو ٹرگر کھینچنا اور آپریٹ کرنا ایک بار پھر بتایا۔

رامادی سے تعلق رکھنے والی پینتیس سالہ ساجدہ یہ تفصیلات اردن کی انٹیلیجنس ایجنسی مخبرات کو تفتیش کے دوسرے روز بتا رہی تھی۔ اردن میں سوگ کا سماں تھا۔ اس ملک کی تاریخ میں دہشت گردی کا بدترین حملہ ہوا تھا۔ اکٹھے تین ہوٹلوں کو خودکش حملہ آوروں نے نشانہ بنایا تھا۔ ساٹھ لوگوں کی اس طریقے سے اموات نے ملک کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ مخبرات کے انسدادِ دہشت گردی ڈویژن کے سینئیر ڈپٹی ابو ہیثم اس جرم کی تفتیش اس خودکش حملہ آور سے کر رہے تھے، جس کی خودکش جیکٹ پھٹنے سے رہ گئی تھی اور وہ بچ گئی تھی۔

اس حملے کی ذمہ داری فوری قبول کر لی گئی تھی اور دوسرے شواہدات سے بھی تصدیق ہو گئی تھی کہ یہ ابو مصعب الزرقاوی کا کام تھا۔ ساجدہ سے تفتیش اس لئے کی جا رہی تھی کہ کسی اور کا پتا لگ سکے۔ خودکش حملہ آور کبھی بھی کسی اہم شخص سے واقف نہیں ہوتے لیکن شاید اس سے جس نے جعلی پاسپورٹ بنایا ہو یا بم بنانے میں مدد کی ہو۔ کیا اس کے ذریعے کسی مستقبل کے منصوبے کا سراغ مل سکتا ہے۔

سسکیاں لیتی اس خاتون کی ناخوشگوار زندگی کا خاکہ بننے لگا۔ رشاوی کا تعلق عراق کے سنی قبائل سے تھا۔ دو بھائی زرقاوی کی تحریک کا حصہ بنے تھے لیکن فلوجہ کی جنگ میں مارے گئے تھے۔ ان کا انتقام لینے کی خواہش نے ساجدہ کو یہ قدم لینے پر مائل کیا تھا۔ خاتون کے لئے چیکنگ سے بچنا آسان تھا۔ خودکش حملہ آسان تھا۔ القاعدہ عراق نے ساجدہ کو اپنے پلان میں فوری استعمال کر لیا۔

ساجدہ کا نکاح علی سے پڑھوا دیا گیا۔ دونوں کو جعلی پاسپورٹ دے کر اردن بھیج دیا گیا۔ عید الفطر سے اگلے روز سڑک کے ذریعے یہ جوڑا اردن میں اپنی امیگریشن کروا کا ملک میں داخل ہو گیا۔ ان کے لئے ایک کرائے پر لئے اپارٹمنٹ کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ کارروائی اس سے چار روز بعد 9 نومبر 2005 کو کرنی تھی۔

کرائے کی گاڑی لے کر ریڈیسن ہوٹل رات نو بجے سے کچھ پہلے پہنچے۔ ہوٹل کے فلاڈیلفیا ہال میں خوشی کی آوازیں تھیں۔ ساجدہ یہ سب دیکھ کر کچھ کنفیوز ہو گئی۔ یہاں پر تو کوئی امریکی نہیں تھا۔ یہ تو شادی کی تقریب تھی!! ساجدہ نے بچوں والی فیملیاں دیکھیں۔ لڑکیاں اور خواتین جنہوں نے زرق برق لباس زیبِ تن کئے ہوئے تھے۔ ایک طرف خواتین تھیں، دوسری طرف مرد۔ ایک طرف دیکے رقص ہو رہا تھا جو روایتی عرب شادیوں میں ہوا کرتا تھا۔ ساجدہ دیکھتی رہی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

علی مردوں والے حصے میں چلا گیا جبکہ ساجدہ خواتین والے حصے میں۔ اس نے اپنے اوور کوٹ نے نیچے ہاتھ بڑھایا اور دھماکہ کرنے والے سوئچ کو کھینچنا شروع کیا۔ یہ پھٹا کیوں نہیں؟ یہ واضح نہیں ہو سکا۔ کچھ غلط ہو گیا تھا یا پھر نروس ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ اس نے اپنے پارٹنر کو اشارہ کرنا شروع کیا۔ اس کے ناراض اور پریشان پارٹنر نے اسے باہر بھاگنے کا اشارہ کیا۔ اس نے باہر جانے سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ علی ایک میز پر چڑھ چکا تھا اور پھر ایک خوفناک دھماکہ ہوا۔

ساجدہ رشاوی بھاگ گئی۔ زخمی اور مرنے والوں کے درمیان سے بھاگتے ہوئے وہ ہوٹل سے باہر آ گئی۔ خودکش جیکٹ پہنی ہوئی تھی اور اوپر سیاہ برقعہ جس پر خون کے دھبے لگ چکے تھے۔

ٹیکسی میں بیٹھتے وقت تک ساجدہ اس سب کی دہشت میں اپنا راستہ بھول چکی تھی۔ کئی راہگیروں نے ایک پریشان عورت کو عراقی لہجے میں پتہ پوچھتے سنا تھا۔ اپنے ایک واقف کے گھر پہنچ کر وہ بستر پر گر گئی۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ مخبرات نے اسے وہاں سے ڈھونڈ نکالا۔

اب کئی روز میں ان واقعات کو ذہن میں دہراتے ہوئے اس کی کنفیوژن مایوسی میں بدل گئی تھی۔ وہ امریکی جاسوس کہاں تھے جن کو قتل کرنے کے لئے اسے بھیجا گیا تھا؟" انہوں نے مجھے کہا تھا کہ میں امریکیوں کو ماروں گی۔ میں تو صرف بدلہ لینے آئی تھی"۔

ساجدہ کے ساتھ غلط بیانی کی گئی تھی لیکن ساجدہ نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ اسے دھوکہ دیا گیا تھا۔ وہ اس تنظیم کے کام کرنے کے طریقے کو نہیں جانتی تھی لیکن تصور نہیں کر سکتی تھی کہ القاعدہ واقعی ایسا بھی کر سکتی تھی کہ ساجدہ کی جان کو شادی میں آئے بچوں اور ان کی ماؤں کو مارنے کے لئے قربان کرنے کی پلاننگ کرے۔ ساجدہ نے ابو ہیثم کے سامنے اعتراف کیا۔ "شاید میں اس وقت میں یہ پن کھینچنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی۔ میں ان کو نہیں مار سکتی تھی۔ وہ سب کتنے خوش تھے۔ اور میں ایسے مرنا نہیں چاہتی تھی"۔

کئی روز تک تفتیش چلتی رہی لیکن ساجدہ رشاوی سے زیادہ مفید معلومات نہیں ملیں۔ اسے قیادت کا کچھ پتہ ہی نہیں تھا۔ ایک غمزدہ عورت جو القاعدہ کے لئے چارہ بننے والی آسان ہدف تھی جس کو انتقام کے جذبے کے تحت اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اور وہ اپنا کام کرنے میں بھی ناکام رہی تھی۔

ابو ہیثم اس عورت پر ترس بھی نہیں کھا سکتے تھے۔ ریڈیسن کے شادی ہال کے خوفناک مناظر ذہن میں تازہ تھے۔ ابو ہیثم کے لئے اس وقت کے بعد زرقاوی کی تلاش ایک جنون بن گیا۔ مخبرات میں اس ڈپٹی کے اس جنون کے قصے یادگار بن گئے۔ کئی کئی روز تک ابو ہیثم گھر نہیں جاتے تھے۔ دفتر میں سو لیتے، وہیں شاور لے لیتے۔ انسدادِ دہشت گردی ڈویژن میں مترجم سے لے کر فائل کلرک تک ہر کوئی دیر تک کام کرنے میں مصروف تھا۔

زرقاوی نے انہیں حربوں کے ذریعے عراق میں کامیابی حاصل کی تھی۔ انہی کو اردن میں استعمال کرنے کی کوشش کی تھی کہ ملک میں غصے کو استعمال کیا جاسکے۔ لیکن یہاں پر اس حملے نے اردن کو القاعدہ کے خلاف متحد کر دیا۔

ان دھماکوں کے چند گھنٹوں کے اندر ہی غصے میں بھرے ہزاروں لوگ سڑکوں پر تھے۔ ان کا نعرہ، "جہنم میں جاؤ، زرقاوی" تھا۔ عمان کی سڑکوں سے مسجد کے میناروں تک ایک غیر متوقع یکجہتی کے مناظر نظر آرہے تھے۔ زرقہ میں ابو مصعب الزرقاوی کے بھائی اور رشتہ داروں نے اخبار میں اشتہار شائع کروایا تھا کہ ابو مصعب کا کوئی تعلق ان سے نہیں رہا۔

اردن عراق پر امریکہ کے حملے کی تنقید کرتا رہا تھا اور ہمسائے میں ہونے والی دہشت گردی پر خاموش رہا تھا۔ عمان کے کئی مقامات پر زرقاوی کو ہیرو کے طور پر بھی دیکھا جاتا رہا تھا لیکن اب یہ کردار اردن کے لوگوں کے لئے ایک گھناونے مجرم میں بدل گیا تھا۔ انٹرنیٹ پر فورم سے اخبارات کے کالم یا یونیورسٹیوں میں مکالموں میں یہ وہ موڑ تھا جب اردن میں القاعدہ کے کاموں کا دفاع کرنے والے اور اس سے ہمدردی رکھنے والے بھی اس سے پیچھے ہٹ گئے۔ القاعدہ اردن میں کبھی قدم نہ جما پائی۔

زرقاوی کی عورت" کے نام سے مشہور ساجدہ شاید ساری عمر جیل میں گزار دیتی۔ سزائے موت 2006 میں دی" جاچکی تھی لیکن عمل درآمد کی کسی کو جلدی نہیں تھی۔ کبھی کبھار وہ پوچھ لیتی تھی کہ میں گھر کب جاوں گی۔ جیل میں ساجدہ کو برسوں گزر چکے تھے۔ اور پھر ایک روز۔۔۔۔۔ اردن کا ایک ایف 16 طیارہ شام میں بمباری کے مشن میں تباہ ہو گیا۔ اس کے پائلٹ معاذ نے جہاز چھوڑ دیا۔

چیف وارڈن 3 فروری 2015 کو ساجدہ کو رات کو ملنے گئے۔ یہ بتانے کے لئے کہ آج ان کی زندگی کی آخری رات ہے۔ ساجدہ کو خبر نہ تھی کہ اس کو آزاد کرانے کا مطالبہ کرنے والے کیا کام کر چکے تھے۔ اس مرتبہ انہیں نے لرزہ خیزی میں اپنا ریکارڈ بھی توڑ دیا تھا۔

اس سے پچھلی رات جیل کے چیف وارڈن کو اردن کے شاہ عبد اللہ کا براہِ راست غیر معمولی پیغام آیا تھا۔ ساجدہ صبح کا سورج نہ دیکھ پائے۔ پینتالیس برس کی ہو جانے والی ساجدہ کو فجر سے پہلے پھانسی دے دی گئی۔ اسی روز اسی طرح پھانسی پانے والے ایک اور عراقی سابق افسر زیاد الکربولی تھے۔ زخمی اردن سیاہ جھنڈے اٹھا کر مشرق سے آنے والی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔

تاریخِ عراق کا اک باب ختم ہوا

عراق میں انتخابات 30 جنوری 2005 کو ہو چکے تھے۔ القاعدہ کی دھمکی کہ وہ اس دن عراق کو خون سے نہلا دیں گے، کارگر نہیں رہی تھی۔ اگرچہ الیکشن کے دن ملک بھر پولنگ سٹیشنوں پر کئے جانے والے حملوں میں چوالیس افراد مارے گئے تھے لیکن یہ مرحلہ طے کر لیا گیا تھا۔ جولائی 2005 کو القاعدہ کی مرکزی قیادت کی طرف عراقی ونگ کو یہ خط لکھا گیا۔ چھ ہزار الفاظ پر مشتمل اس خط کو ایمن الظواہری نے تحریر کیا تھا اور زرقاوی کو بھیجا تھا۔ مندرجہ ذیل اقتباس اس خط کے ایک حصے کا لفظی ترجمہ ہے۔

"ان نوجوان کی مسلمانوں کی آبادی مغوین کے ذبح کئے جانے کے مناظر کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ رہی۔ کچھ جذباتی کو پسند ضرور کرتے ہیں اور اس عمل کی تعریف بھی کرتے ہیں لیکن اس سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ یہ ہمارے ایک عام مداح کا نکتہ نظر نہیں۔ آپ پر اللہ نے خصوصی کرم کیا ہے اور آپ کا ایسا کرنے کا جواز بھی بنتا ہے کیونکہ آپ سمجھتے ہیں کہ اس طریقے سے ان صلیبیوں اور ان کے مددگاروں کے دلوں میں خوف ڈالا جائے۔ ہمارے دشمن کے فعل، ان کا شہروں کو تباہ کرنا لوگوں کے سر قلم کرنے سے بدتر ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود، میں آپ کو یہ کہوں گا کہ ہم حالتِ جنگ میں ہیں اور یہ جنگ صرف میدان میں نہیں، لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کی جنگ بھی ہے۔ یہ ایک میڈیا وار ہے۔ اور اس معاملے میں ہماری صلاحیت اس شیطانی بادشاہت کی صلاحیت کا ہزارواں حصہ ہے۔ ہمیں ان اغوا کرنے والوں کو خنجر کے بجائے گولی سے مارنا چاہیے۔ اس سے مقصد بھی پورا ہو جائے گا اور لوگ سوال بھی نہیں کریں گے جو اب وہ اٹھانا شروع ہو گئے ہیں۔ جنگ کے اس مرحلے پر ہمیں کچھ حکمت کا استعمال کرنا چاہیے"۔

اس خط میں زرقاوی کی کامیابیوں اور بہادری کی تعریف بھی کی گئی تھی۔ لیکن عراقی القاعدہ نے اس سے دو ہفتے بعد اس کا جواب دیا، "وہ لوگ جنہیں جہاد کا اور معاملات کا نہیں معلوم، ان کو اپنا منہ بند رکھنا چاہیے۔ وہ عقلِ کُل نہیں ہیں۔ ہم جو کر رہے ہیں، علمائے حق اس میں ہمارے ساتھ ہیں"۔

اس کے بعد عام شیعہ شہریوں کے قتل سے منع کرنے پر ستمبر 2005 کو الظواہری کو براہِ راست جواب جہادی ویب سائٹ پر آڈیو ڈال کر دیا گیا۔ "دجلہ اور فرات کے درمیان القاعدہ رافضیوں کے خلاف کھلی جنگ کا اعلان کرتی ہے۔ اور اس کے علاوہ جو بھی عراقی حکومت سے کسی بھی کسی کا تعلق رکھے گا، وہ ہمارے نشانے پر ہو گا۔

کوئی قبیلہ جو ان صلیبیوں یا ان کے ایجنٹوں کا ساتھ دے گا، مجاہدین کا غضب دیکھ لے گا"۔

القاعدہ عراق میں شامل ہونے والوں کے لئے بیرونِ ملک سے آنے والوں کی تعداد ماہانہ ایک سو سے ڈیڑھ سو کے درمیان تھی۔ انٹرنیٹ پر القاعدہ کی شئیر کردہ ویڈیوز ایک پر عزم اور بے رحم جنگجو کا تاثر بناتی تھیں۔ یہ ایک عام انسان کے لئے تو طبیعت خراب کر دینے والے امیج تھے لیکن ہزاروں جذباتی نوجوان ان کو مسلمانوں کی مزاحمت کے ہیرو کے طور پر دیکھتے تھے۔ القاعدہ عراق کو اب القاعدہ کی مرکزی قیادت کی ضرورت نہیں تھی۔

اردن کے ہوٹلوں پر حملہ اس اعتماد کی وجہ سے کیا گیا تھا لیکن اس کے نتائج اچھے نہیں نکلے تھے۔ پہلی بار عراقی القاعدہ کو وضاحت پر مجبور ہونا پڑا تھا کہ اصل میں شادی کے مہمان نشانہ نہیں تھے۔ ان ہوٹلوں کا انتخاب کیا گیا تھا جس میں امریکی جاسوس آیا جایا کرتے تھے۔ اس ردِ عمل سے عراقی القاعدہ نے جلد سبق سیکھ لیا۔ اگلا پلان بہت ہی ہوشیاری سے بنایا گیا۔ نیا بڑا نشانہ سمراء میں تھا۔

پانچ مسلح افراد ایک ہزار سال پرانی العسکری مسجد کی طرف جا رہے تھے۔ یہ 22 فروری 2006 کی صبح تھی۔۔۔ سمراء میں اس کا مسجد سنہرا گنبد ایک بہت مشہور سٹرکچر تھا۔ چھ بج کر چوالیس منٹ پر دو بہت بڑے دھماکوں نے شہر کو ہلا کر رکھ دیا۔ شہر کے مکین اس جگہ پر پہنچے تو یہ گنبد ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا۔ اس کی بیرونی دیوار گر چکی تھی اور چھت کے سریے نظر آ رہے تھے۔ اس بم سے کوئی بھی زخمی نہیں ہوا تھا۔ اب کسی کو شکایت نہیں ہو سکتی تھی کہ القاعدہ معصوم شہریوں کو قتل کرتی ہے۔ اس نے تو بس شیعہ اسلام کی ایک اہم ترین تعمیر کو گرایا تھا۔

شیعہ عسکری گروہ پہلے بھی بے قابو تھے۔ اس واقعے کے بعد بپھرے ہوئے غضبناک گروہوں نے سنیوں کی آبادیوں میں تباہی مچا دی۔ محلے اجاڑ دئے۔ حملے اور جواب حملے اور انتقام در انتقام کے ان چکروں نے شہر میں لاشوں کے ڈھیر لگا دئے۔ چند روز میں شہر کے مردہ خانے میں تیرہ سو لاشیں پہنچ چکی تھیں۔ فرقہ واریت کے بارود کو تیلی لگا دی گئی تھی۔

القاعدہ عراق کی برانڈنگ کرنے کے لئے اب نئی ویڈیو بنائی گئی۔ اس کو بنانے میں کئی دن لگے، کئی طرح سے ایڈٹ کیا گیا اور یہ ایک پروفیشنل پروڈکشن تھی۔ اسی طریقے سے، جیسے اسامہ بن لادن بنوایا کرتے تھے۔ اس میں زرقاوی بغیر ماسک کے تھے۔ عسکری کونسل سے مشورہ کر رہے تھے۔ نقشے کی سٹڈی کر رہے تھے۔ جنگجوؤں کے ساتھ صحرا میں جا رہے تھے۔ مشین گن فائر کر رہے تھے۔ پر اعتماد اور جوان ہمت، سیاہ ٹوپی اور سیاہ لباس میں ملبوس۔ نیچے سفید رنگ کے نیو بیلنس کے جاگر۔

اس کے ساتھ کمنٹری میں تحقیر کا عنصر بھی پہلے سے کم تھا، "دشمن اب ننگا ہو چکا ہے۔ کمزور پڑ چکا ہے، ان شاء اللہ، اس کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس کو سانس لینے کا موقع نہیں دینا۔ اس پر ایک کے بعد دوسرا حملہ ہو گا۔ ساتھیو، ڈٹے رہنا"۔

فرقہ وارانہ فسادات جوبن پر تھے۔ اس حملوں کے چند ہی روز بعد امریکی فوجیوں نے بغداد میں زیرِ زمین قید خانہ دریافت کیا تھا جہاں شیعہ پولیس افسر سنیوں پر تشدد کرتے تھے۔ یہ تہہ خانہ بموں سے بچنے کی پناہ گاہ تھی جہاں پر اب دو سو سنی قیدی رکھے گئے تھے۔ ان کو بجلی کے جھٹکے اور پٹائی کی خوراک روزانہ دی جاتی تھی، کھانے کے لئے کبھی کبھار۔ یہ عراق کے وزیرِ داخلہ فلاح النقیب کے گھر سے اگلی گلی میں ہو رہا تھا۔

دونوں طرف لوگ صرف اس جرم میں قتل کئے جا رہے تھے کہ وہ غلط عقیدے سے تعلق رکھتے تھے۔

زرقاوی کے بارے میں اہم معلومات زیرِ تفتیش عراقی سے ملی۔ مبصر کو بم نصب کرنے کے الزام میں پکڑا گیا تھا۔ اعترافی بیان میں مبصر نے اہم معلومات دی تھی کہ زرقاوی باقاعدگی سے ملنے ایک امام شیخ عبدالرحمٰن سے ملتے ہیں۔ دونوں کی ہر آٹھ دس دن بعد ملاقات ہوتی ہے۔ ڈرون سے اب عبدالرحمٰن کے گھر کی نگرانی کی جانے لگی۔ دو ہفتے بعد شیخ عبدالرحمٰن کی سلور گاڑی کا پیچھا کرتے ہوئے دیکھا کہ خلافِ معمول یہ بغداد کی مین سڑک کی

طرف چلی گئی اور سڑک کنارے رک گئی۔ چند منٹ بعد اس سے عبد الرحمٰن اترے اور ایک نیلے ٹرک میں بیٹھ گئے۔ ٹرک شمال کی طرف شہر کے باہر جانے لگا۔ آدھے گھنٹے بعد اس نے مشرق کی طرف موڑ کاٹا۔ اس کی منزل بعقوبہ تھی۔ شہر کے قریب پہنچ کر اس سفید پک اپ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ عبد الرحمان اب اس میں سوار ہو گئے۔ شہر سے تین میل دور یہ ایک کچے راستے پر جانے لگی۔ کھجور کے درختوں کے گھنے سائے میں یہ ایک دو منزلہ گھر تھا۔ ڈرائیور کو گھر کے گارڈ نے اندر آنے دیا۔ اس وقت شام پانچ بجنے میں پانچ منٹ رہتے تھے۔ یہ سب سکرین پر دیکھا جا رہا تھا۔ تین سال سے زرقاوی کو تلاش کیا جا رہا تھا۔ کیا یہ وہ وقت تھا؟

مک کرسٹل کے ڈپٹی نے کہا، "مجھے معلوم نہیں کہ یہ زرقاوی ہیں یا نہیں لیکن جو بھی ہے، اہم لگتا ہے"۔ سب سکرین کو گھور رہے تھے۔ اس عمارت سے اب ایک مضبوط جسم والا شخص نکلا۔ مکمل سیاہ لباس اور عبد الرحمان کو اندر لے گیا۔ مک کرسٹل نے اس کی جسامت اور چال سے اندازہ لگایا، "یہی زرقاوی ہے"۔

ڈیلٹا فورس کے دستے یہاں سے چالیس میل دور تھے لیکن ہیلی کاپٹر تیار نہیں تھا۔ نشانہ کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ اس کے لئے تلاش شروع ہوئی۔ ایک ایف سولہ طیارہ معمول کے گشت پر تھا۔ اس سے رابطہ ہو گیا۔ یہ پانچ منٹ میں یہاں پر پہنچ سکتا تھا۔ مک کرسٹل ابھی گومگو میں تھے کہ گھر کو نشانہ بنایا جائے یا نہیں۔ ان کی نظر میں زرقاوی کے ہونے کا امکان اسی سے نوے فیصد تھا۔ ڈپٹی نے کہا کہ "انتظار نہیں کیا جا سکتا۔ فیصلہ لینا ہو گا"۔ جنرل کا جواب آیا، "ٹھیک ہے"۔ چھ بجے کے قریب کا وقت تھا جب ایف سولہ کے پائلٹ کو حکم ملا، "بم گرا دو"۔

پہلے ایک اور اس سے سو سیکنڈ کے بعد دوسرا بم گرا۔ جب دھواں چھٹا تو گھر گر چکا تھا۔

ڈیلٹا ٹیم ہیلی کاپٹر میں بیس منٹ بعد یہاں پہنچی۔ عراقی پولیس یہاں پہلے پہنچ چکی تھی۔ اس ملبے سے زرقاوی کو نکالا گیا۔ وہ شدید زخمی تھے لیکن ہوش میں تھے۔ سٹریچر پر لیٹے زرقاوی نے آنکھیں کھولیں تو امریکی فوجیوں کے چہرے ان کو دیکھ رہے تھے۔ یکایک چونک کر وہ کچھ بڑبڑائے اور سٹریچر سے اترنے کی کوشش کی۔ ان کو روک لیا گیا۔

اس شام سات بج کر چار منٹ پر زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے زرقاوی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کھجوروں

کے درختوں کے پیچھے سورج غروب ہو رہا تھا۔ اپنی زندگی میں اسلامی خلافت قائم کرنے کا انکا خواب ختم ہو گیا تھا۔

داعش کی پیدائش

موصل کے قریب دولت اسلامیہ فی العراق کے سربراہ ابھی اس پوزیشن پر نئے تھے۔ پچھلے کمانڈرز کے برعکس یہ جنگجو نہیں بلکہ سکالر تھے۔ اپنی پی ایچ ڈی بغداد یونیورسٹی سے کی تھی۔ ڈاکٹریٹ اسلامک لاء میں کی تھی۔ یہ سربراہ 32 سالہ ابراہیم عواد البدری تھے۔ انہوں نے اپنا جہادی لقب ابو بکر البغدادی کا اختیار کیا تھا۔

امریکی فوج ملک سے نکل چکی تھی۔ زرقاوی نے جب یہ جماعت قائم کی تھی تو اس کا نام جماعت التوحید والجہاد رکھا تھا۔ اس جماعت کا مقصد خلافت کا قیام تھا، لیکن اب اس کا پیغام سننے والا کوئی نہیں تھا۔ کبھی یہ کسی خودکش حملہ آور کو بغداد روانہ کر دیا کرتے تھے۔ کسی بینک کے صارفین کو، کسی چرچ سروس میں، فوج میں بھرتی ہونے والوں کی قطار میں کھڑے نوجوانوں کو مار دیا کرتے تھے۔ عراقیوں کی توجہ عراقی پارلیمنٹ میں جاری سرکس کی طرف تھی۔ ان حملوں کی تُک اب کسی کو بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ یہ گروپ کار بم بنا سکتا تھا۔ خودکش حملہ آور بھرتی کر لیتا تھا لیکن تنظیم کھوکھلی ہو چکی تھی۔ یہ جو نظریہ بیچ رہے تھے، کسی کو اس کی پرواہ نہیں رہی تھی۔ زرقاوی کی موت کے پانچ سال بعد اب یہ اس نہج پر تھے کسی تنظیم کے لئے ختم ہو جانے سے بھی زیادہ بُرا انجام ہے۔ یہ غیر متعلقہ ہو گئے تھے۔

عراقی القاعدہ کا زوال زرقاوی کی موت کے بعد شروع ہو گیا تھا۔ اگرچہ ان کی کارروائیاں جاری رہیں لیکن میدانِ میں شروع ہوا اور آخری دستہ 18 دسمبر 2011 کو عراق کی سرحد 2007 جنگ بدل رہا تھا۔ امریکی فوج کا انخلا پار کر کے کویت میں داخل ہو گیا۔ وہ جنگ جس میں ساڑھے چار ہزار امریکی فوجی مارے گئے۔ اب مستحکم عراق چلانا عراقی حکومت کا کام تھا۔ وزیرِ اعظم نور المالکی ملک کو یکجا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ ان کی پالیسی سنی قبائل اور عراقی کردوں، دونوں کو قابلِ قبول نہیں تھیں۔

جانے سے پہلے امریکی افواج نے ایک حملے میں دولتِ اسلامیہ فی العراق کی لیڈرشپ کو ختم کر دیا تھا۔ ابو غادیہ ایک ہیلی کاپٹر حملے میں مارے گئے تھے۔ تکریت میں گروپ کی سنئیر قیادت کے اجلاس پر ہونے والے حملے میں

ابو عمر البغدادی اور ابو ایوب المصری بھی مارے گئے تھے۔ دولتِ اسلامیہ نے جاری کردہ پیغام میں انتقام کا وعدہ کیا تھا "لمبی، اداس راتیں اور تاریک دن آنے والے ہیں جو خون سے بھرے ہوں گے"۔

حقیقت یہ تھی کہ اگرچہ ان کے نئے چیف ابو بکر البغدادی کے ارادے تو بلند تھے لیکن اس تنظیم کے پاس تو اس کمزور عراقی حکومت کو بھی چیلنج کرنے کی اہلیت بھی نہیں تھی۔ اس کے پاس چار چیزوں کی کمی تھی۔ وسائل، افرادی قوت، جگہ اور سب سے بڑھ کر کوئی کاز۔ کوئی ایسی وجہ جس کی مدد سے یہ لوگوں کو متوجہ کر سکے۔

ان کو یہ سب عراق سے باہر مل گیا۔ شام کی خانہ جنگی کے ہنگامے نے ان کو یہ چاروں چیزیں فراہم کر دیں۔

شام میں بغاوت شروع ہوئے چھ ماہ ہو چکے تھے جب ابو بکر بغدادی اپنے کام کے لئے تیار تھے۔ شام کے بڑے علاقے سے سیکورٹی کے ادارے ختم ہو رہے تھے۔ اس شورش زدہ ملک میں قدم جمانے کا موقع تھا۔ دولت اسلامیہ کا پہلا گروپ سات سے آٹھ لوگوں پر مشتمل تھا، جو شام کی صورتحال کا جائزہ لینے دریائے فرات کے ساتھ چلنے والی سڑک کے ذریعے شام میں داخل ہوا تھا۔ انہوں نے جلد ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ جگہ عراق سے زیادہ موافق تھی۔ منتشر، لاقانونیت کا شکار شام جہاں پر ہتھیاروں کی آزادانہ نقل و حرکت کی جا سکتی تھی۔ نہ ہی اوپر سے کسی طیارے یا ہیلی کاپٹر کے آنے کا خوف تھا۔ یہ اس تنظیم کیلئے ایک آئیڈیل جگہ تھی۔

شام اور اردن پڑوسی ملک تھے۔ دونوں کے حکمران ملک پر حکومت کرنے والے طاقتور حکمرانوں کے فرزند تھے۔ دونوں کو ان کے والد نے غیر متوقع طور پر چنا تھا۔ دونوں نے تعلیم برطانیہ سے حاصل کی تھی۔ دونوں کی بیویاں مغرب سے تعلیم یافتہ گلیمرس اور اپنے کیریئر رکھنے والی خواتین تھیں۔ دونوں کے بچوں کی آپس میں فیملی کے دورے کے وقت سپر ماریو ویڈیو گیم اکٹھے کھیلنے پر دوستی ہو گئی تھی۔ جب عرب بہار آئی تو دونوں ممالک میں لوگ حکومت کے خلاف اٹھے تھے۔ بظاہر ایک جیسے لگنے والے ان لیڈروں کا اس پر ردِ عمل بالکل ہی متضاد تھا۔ اس ردِ عمل نے ان ممالک کی قسمت طے کر دی۔

عرب بہار نے خطے کے دوسرے ممالک کی طرح اردن کا رخ بھی کیا۔ لوگ تبدیلی کے نعرے کے ساتھ سڑکوں پر نکلے۔ شاہ عبداللہ اس کے لئے تیار تھے۔ انہیں تبدیلی دے دی گئی۔ وزیرِ اعظم برخواست ہوئے اور معروف بخت، جو اصلاح پسند مقبول راہنما تھے، وزیرِ اعظم بنے۔ انہیں کرپشن دور کرنے اور مقامی حکومتوں کو ٹھیک کرنے کا ٹاسک دے دیا گیا۔ بادشاہ نے ملک میں سیاسی اصلاحات کرنا شروع کیں۔ قومی اور مقامی انتخابات میں تیز رفتار اصلاحات ہوئیں۔ اپنی طاقت وزیرِ اعظم اور کابینہ کے حوالے کرنا شروع کی۔ اردن میں یہ تحریک بہت جلد دم توڑ گئی کیونکہ یہ جس بادشاہ سے ٹکرائی تھی، وہ خود ہی ان کا ہمنوا تھا۔ جہاں عرب بہار میں حکومتیں الٹا دی گئیں، خون بہتا رہا۔ وہاں اردن میں ایک سال تک جاری رہنے والے ان مظاہروں میں صرف تین ہلاکتیں ہوئیں، جن میں سے دو پولیس والوں کی تھیں۔

شام کی بغاوت جب شروع ہوئی تو یہ مذہبی بغاوت نہیں تھی۔ لوگ حکومت کے خلاف سڑکوں پر آئے تھے۔ حماۃ میں ہونے والے بہت بڑے مظاہرے میں جلوس میں قرآن بھی تھے اور صلیب بھی۔ علوی بھی اس میں شریک ہوئے۔ یہاں بشارالاسد نے جو ہتھکنڈے استعمال کئے، اس میں حکومت مخالف لوگوں کو تکفیریوں کا لیبل دینا تھا۔ 2011 میں شاہ عبداللہ نے بشار الاسد کو فون کیا۔ ایک دوسرے کا اور خاندان کا حال احوال پوچھنے کے بعد شاہ عبداللہ نے بغاوت کا پوچھا اور بتایا کہ انہوں نے کیا اقدامات لئے اور بشار کو کچھ مشورہ دینے لگے کہ ان کی بات کاٹ دی گئی، "آپ صرف اپنے اور اردن پر توجہ دیں"۔ کال جلد ہی ختم ہو گئی۔

عبداللہ کے لئے یہ ناگوار اور غیر متوقع تھا۔ بشارالاسد کے والد ایک بڑے ہی بے رحم ڈکٹیٹر تھے۔ مکاری اور طاقت کے ملاپ کی وجہ سے غربت سے ترقی کر کے صدر بنے تھے اور طویل عرصہ رہے تھے۔ بشار اپنے والد کی طرح نہیں تھے۔ صدر بننے کے بعد انہوں نے ملک میں کئی اصلاحات کی تھیں۔ نہ صرف اردن کو بلکہ تمام دنیا کو ان سے امید تھی۔ کئی نوجوان اور قابل مشیروں کو اصلاحات کیلئے ملک لے کر آئے تھے۔ پرانے جنرلوں اور بااثر طبقات کو ہٹایا تھا۔ عبداللہ کو امید تھی کہ وہ ان کا بڑھا ہاتھ تھام لیں گے۔ لیکن بشار نے اس راستے کا انتخاب کیا، جو ان کے والد کا طریقہ تھا۔

دولتِ اسلامیہ فی العراق کی قیادت کے ایماء پر بشار الاسد سے لڑنے کے لئے ملشیا قائم کی گئی۔ یہ گروپ جبہت النصرہ کہلایا۔ لیکن بغدادی کے عزائم شامی باغیوں کی مدد کے نہیں تھے۔ ان کے ارادے زیادہ بلند تھے۔ اصل

مقصد خلافت کی بنیاد ڈالنا تھا۔ دولتِ اسلامیہ کو اس خلافت کے لئے کسی ٹھکانے کی ضرورت تھی۔ ان کے لئے شام بغداد کی کالونی تھی۔ النصرہ فرنٹ، جس کا فوکس شام تھا، وہ بعد میں اس سے الگ ہو گیا۔

اپنے پیشرو کی طرح بغدادی کا مقصد شام یا عراق میں اسلامی حکومت کا قیام نہیں رہا بلکہ سرحدوں سے ماورا سلطنت کا قیام تھا۔ القاعدہ اس سے پہلے خلافت کو مستقبل بعید کا گول قرار دیتی رہی تھی جس کے لئے ایک ایک کر کے مشرقِ وسطیٰ کی حکومتیں گرائی جائیں۔ دولتِ اسلامیہ اس کے لئے انتظار بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

القاعدہ کی قیادت زرقاوی کو اور اس کے بعد آنے والوں کو منع کرتی آئی تھی کہ عام مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے دہشت کا لیول کچھ کم کر دینا چاہیے۔ سر کاٹنے کی ویڈیوز، بچوں اور خواتین سمیت عام شیعہ آبادی پر حملے وغیرہ کم ہو چکے تھے۔ بغدادی نہ صرف اس سب کو واپس لے آئے بلکہ اس شدت کے ساتھ جو پہلے کبھی دیکھی نہیں گئی تھی اور اس کو دنیا بھر میں یہ مناظر دکھانے کا طریقہ بھی آتا تھا۔

سیاہ جھنڈوں کی آمد

ابراہیم البدری کی سپشلائزیشن فقہ میں تھی۔ 2003 تک انکا کیریئر خاموشی سے چل رہا تھا۔ اگر امریکہ عراق میں نہ آیا ہوتا تو ایک ناقابلِ ذکر زندگی ہوتی۔ نہ وہ افغانستان گئے۔ نہ زرقاوی کی طرح زندگی تشدد کے ماحول میں بسر کی۔ نہ اسامہ بن لادن کی طرح ایڈونچر کا شوق تھا۔ عینک لگانے والے اور اپنے میں رہنے والے البدری کو فٹبال پسند تھی۔ شادیوں میں رقص ناپسند تھے۔

امریکہ کے خلاف ایک چھوٹی مزاحمتی تحریک میں شامل ہوئے۔ جنوری 2004 میں گرفتار ہوئے اور کیمپ بکا میں قیدی بنے۔ مزاحمتی تحریک اور قید، البدری کا بہتے خون سے لطف اندوز ہونے والے انتہاپسندانہ کیریئر کا یہ آغاز تھا۔

کیمپ بکا ایک جہادی یونیورسٹی تھی اور اس کے سب سے مشہور گریجویٹ البدری تھے، جنہوں نے ابو بکر البغدادی کے نام سے شہرت پائی۔ اس طرح کے کیمپ انتہاپسند اور معتدل مزاج لوگوں کے ملنے کی جگہ تھے، جس میں لوگ انتہاپسند بن کر نکلتے تھے۔ یہاں پر اپنی دینی علم کی وجہ سے ان کو عزت ملی۔ نماز میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شرعی مسائل میں ان سے راہنمائی لینے آتے تھے۔ دس مہینے کے اس قیام نے ان کو قیادت کے شوقین شخص میں بدل دیا۔ جیل جنگجو تنظیموں میں عزت لینے کی لئے ضروری بھی تھی۔

اس جیل سے نکل کر واپس اپنی ڈاکٹریٹ کرنے لگے۔ ان کی پی ایچ ڈی 2007 میں مکمل ہوگئی۔ اس دوران ان کی تنظیم زرقاوی کی قائم کردہ کونسل میں ضم ہو چکی تھی۔ بغدادی کو اس میں شرعی قانون کا مشیر بنا دیا گیا۔ 2010 میں تنظیم کی مرکزی کونسل میں شامل ہوگئے۔ اپریل 2010 میں جب تکریت میں دولتِ اسلامیہ کی قیادت بم تلے ماری گئی تو بغدادی قیادت کے لئے انتخاب بنے۔ القاعدہ اپنے دہشت گرد حملوں کی تاویل کے لئے کئی بہانے تراشتی رہی تھی لیکن کم از کم کوشش کی جاتی تھی کہ کچھ علماء سے حق میں فتوے لے لئے جائیں۔ زرقاوی نے اس تکلف کو چھوڑ دیا تھا۔ دولتِ اسلامیہ کا طریقہ یہ تھا کہ یہ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ ان کے سکالر لیڈر اس کی تاویل فٹافٹ بتا دیتے تھے۔ کوئی عمل کتنا ہی غیر انسانی اور ظالمانہ کیوں نہ ہو۔۔۔ گلے کاٹنا، خودکش حملے، بھتہ وصول کرنا، اغوا کرنا، عقیدے کے فرق کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا، عام لوگوں کا خون بہانا، قیدی کو نذرِ آتش کر

دینا۔۔۔ بغدادی کے پاس جھٹ حل اور جواز موجود ہوتا تھا۔ ان کا دوسرا فائدہ ان کا پڑھا لکھا ہونا تھا جو ایک ممکنہ خلیفہ کے لئے جچتا تھا۔

عراق میں ناکام ہونے کے بعد شام میں القاعدہ نے اپنے آنے کا اعلان انیٹرنیٹ پر ویڈیو سے کیا تھا۔ جیسے سٹیو جابز آئی فون متعارف کرواتے تھے، یہ رونمائی بھی اسی مہارت سے کی گئی۔ کئی روز سے اہم اعلان کا کاونٹ ڈاون چلتا رہا اور پھر اس کے صفر پر آجانے پر ابو محمد الجولانی کی سولہ منٹ کی ویڈیو شروع ہو گئی۔

اس سے کچھ ہفتے قبل دمشق میں دو گاڑیوں میں بم دھماکے ہوئے تھے جس سے چوالیس لوگ ہلاک ہوئے۔ اس ویڈیو میں فخریہ اس کی ذمہ داری قبول کی گئی۔ نصرہ فرنٹ کی شام آمد کی خوشخبری سنائی گئی اور سب کو کہا گیا کہ وہ مشرق سے آنے والے سیاہ جھنڈوں تلے اکٹھے ہو جائیں۔ فتح کے اس قافلے کا حصہ بن جائیں۔ ساتھ ساتھ میں شامی بچوں کی لاشیں اور جذبات ابھارتے مناظر۔۔۔ اس زبردست مارکٹنگ نے ہزاروں لوگوں کو متوجہ کیا۔ کویت میں حجاج العجمی کے لاکھوں فالوور تھے۔ انہوں نے اس کے لئے چندہ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ شامی مظلومین کی مدد کے لئے سپیشل بینک اکاونٹ قائم ہوئے۔ ٹوئٹر پر ہونے والی نیلامیوں نے لوگوں نے اپنے گاڑیاں اور کشتیاں بیچ کر شامی بھائیوں کی مدد کے لئے عطیات دئے۔ کیش، زیورات اور دیگر سازوسامان اکٹھا ہونے لگا۔ مخیر حضرات کی طرف سے کیش سے بھرے بریف کیس میدانِ جنگ پہنچنے لگے۔ زیادہ چندہ دینے والے کے نام پر ایک باغی بریگیڈ کا نام رکھا جاتا۔

جن ممالک سے فنڈ آرہے تھے، انہوں نے اس سب کو منع نہیں کیا۔ "بشار الاسد مسئلہ ہے۔ نصرہ اس کا حل ہے۔" یہ مشرقِ وسطی کے ایک ملک کے سفیر کے الفاظ تھے۔

وعدے کے مطابق سیاہ جھنڈے مشرق سے پہنچ گئے۔ لمبے بال اور داڑھیوں والے۔ یہ گھوڑوں پر نہیں بلکہ چھوٹے پک اپ ٹرکوں پر گرد اڑاتے آئے تھے۔ قدم جما لینے کے بعد اس پراجیکٹ کے اگلے مرحلے کا وقت آن پہنچا تھا۔ بغدادی کے مطابق "اب کافروں کو یہ دکھانے کا وقت تھا کہ خلافت کیسی ہوتی ہے"۔ ستائیس سالہ کمپیوٹر

انجینیر شاکر واہب الدلیمی سیاہ لمبے بالوں، سر پر ٹوپی اور لمبی داڑھی کے ساتھ بغیر ماسک کے ویڈیو پر نظر آیا کرتے تھے۔ انہوں نے اب کیمرہ ہائی وے پر سیٹ کروایا تھا۔ رائفل پکڑے واہب نے انہوں نے سڑک پر آنے والی ٹریکٹر ٹرالیوں کو روکا۔ ان سے اترنے والے تین افراد سے شناختی کارڈ طلب کیا۔ ان سے سوال کیا گیا کہ کیا وہ شیعہ ہیں۔ سفید جینز میں ملبوس نوجوان نے کہا کہ نہیں، وہ حمص کے سُنی شہری ہیں۔ ویڈیو ریکارڈنگ جاری رہی۔ "کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟" اس لڑکے کے ساتھ کھڑے ادھیڑ عمر شخص نے جواب دیا، "ہم صرف اپنے کام سے کام رکھنے والے ہیں"۔ ابو واہب نے کہا، "ثابت کرو کہ تم سنی ہو۔ یہ بتاؤ کہ فجر میں کتنی بار سجدہ کیا جاتا ہے"۔ "لرزتے اشخاص میں سے ایک نے کہا "چار بار"۔ ایک کا جواب آیا، "چھ دفعہ"۔ ایک نے کہا، "تین؟

تم کافر ہو، ریت پر گھٹنے کے بل بیٹھ جاؤ۔" یہ کہہ کر ابو واہب ان کی کمر کی طرف چلے گئے اور رائفل نکال لی۔" ایک نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن تینوں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ ان کی ٹریکٹر ٹرالیوں کو آگ لگا دی گئی۔ ویڈیو عراق میں شعلہ بھڑک چکا ہے۔ اس کی آگے ابھی پھیلے گی۔ صلیبی فوجوں کو دابق میں شکست "میں آواز ابھری، دی جائے گی۔ یہ پیشگوئی عنقریب پوری ہونے والی ہے"۔

بغدادی نے جو لوگ اس پہلے بھیجے تھے، وہ ان کے خیال میں نرم دل تھے اور بغدادی ان سے مایوس ہوئے تھے۔ ان کے ارادے بلند نہیں تھے۔ خلافت قائم کرنے کے لئے ناکارہ تھے۔ ابو واہب جیسے لوگ یہ کام کر سکتے تھے۔ 9 اپریل 2013 کو اسلامسٹ ویب سائٹ پر بغدادی کا اکیس منٹ کا پیغام چل رہا تھا۔ نصرہ فرنٹ اب کالعدم کر دیا گیا ہے۔ اس کی جگہ نئی تنظیم دولتِ اسلامیہ فی العراق و شام بن گئی ہے۔ (اس کا مخفف داعش ہے)۔ جبہت النصرہ کو اس میں ضم کر لیا گیا ہے۔ عراق اور شام میں اب ایک ہی تنظیم کافر حکومتوں کے خلاف جہاد میں متحد ہے۔

اس کا سب سے سخت جواب جس سے آیا، وہ حیران کن تھا۔ بغدادی نے اپنے ساتھی جولانی سے اس بارے میں رائے نہیں لی تھی۔ دو روز بعد جولانی کا پیغام آ گیا۔ "جبہت النصرہ قائم ہے۔ اس کا جھنڈا ویسا ہی رہے گا۔ کوئی اس کو بدل نہیں سکتا"۔ بغدادی کے پرانے کامریڈ اور دوست نے صاف جواب دے دیا تھا۔ 9 جون 2013 کو ایمن الظواہری کا ڈانٹ بھرا خط آ گیا جس میں انہیں اعتماد میں لئے بغیر یہ قدم لینے پر سرزنش کی گئی تھی اور کہا کہ بغدادی کو اب پروبیشن پر منتقل کیا جا رہا ہے۔ ایک سال بعد ظواہری فیصلہ کریں گے کہ بغدادی سربراہ رہنے کے

قابل ہیں بھی یا نہیں۔ ایک نمائندے خالد السوری کو مقرر کیا کہ وہ سیریا میں اس جھگڑے کا تصفیہ کروائیں۔

بغدادی نے اس پیغام کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا کہ وہ سوائے اللہ کے کسی اور کو جواب دہ نہیں۔ دونوں دہشت گرد تنظیمیں، القاعدہ اور داعش۔۔۔ اب کھل کر ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں۔

بغدادی نے تنظیمی اوورہالنگ کی، علاقائی گورنر لگائے، شریعت ایڈوائزر بنائے، ملٹری کمانڈروں کا تقرر کیا۔ سوشل میڈیا، تربیت، ریکروٹمنٹ کے شعبے بنائے۔ خودکش حملوں کے لئے الگ شعبہ قائم کیا گیا۔

عراق میں دہشت گرد حملوں کی نئی لہر شروع ہوئی۔ تمام حملے عام شہریوں پر کئے جاتے تھے۔ کھیلوں کے میدان، مسجد، کیفے، بازار۔ یہاں تک کہ نینوا میں ایک پرائمری سکول پر ٹرک بم سے حملہ کیا گیا جس میں گراونڈ میں کھیلتے تیرہ بچے جاں بحق ہوئے۔

اس سے اگلا قدم "گیٹ تباہ کرنے" کا آپریشن تھا۔ اس کو تکریت کی ایک چھوٹی جیل سے شروع کیا گیا۔ جنگجو جیل توڑ کر قیدیوں کو رہا کروا دیا کرتے تھے۔ وہ دہشتگرد بھی جو سزائے موت پا چکے ہوتے تھے، آزاد ہو جاتے تھے۔ 21 جولائی 2013 کو داعش نے رات کے ریڈ میں کئی خودکش بمبار استعمال کر کے عراق کی دو بڑی جیلیں توڑ دیں۔ ان میں عراق کی بدنامِ زمانہ ابو غریب جیل بھی تھی۔ اس سے زرقاوی کے نیٹورک کے پانچ سو دہشت گرد آزاد کروا لیے گئے۔

بغدادی کے پاس اب داعش کی فوج کھڑی کرنے کے لئے جنگ کا تجربہ رکھنے والے جنگجو بھی تھے۔ شام میں یہ جبہت النصرہ سمیت ہر باغی فورس پر حملہ کرتے اور ان کے سامنے تین انتخاب رکھتے۔ ہمارے ساتھ مل جاؤ، بھاگ جاؤ یا پھر لڑائی کرو۔ جو پہلے دو انتخاب نہیں کرتا تھا، اس کو قتل کئے جانے سے ہچکچایا نہیں جاتا تھا۔

القاعدہ نے ابو خالد السوری کو مصالحت کے لئے مامور کیا تھا۔ 2014 کے آغاز میں السوری حلب میں اس ملیشیا کے

ہیڈ کوارٹر میں تھے جب پانچ افراد گولیاں برساتے داخل ہوئے۔ ایک نے خود کش جیکٹ پھاڑ دی۔ السوری، اپنے چھ ساتھیوں سمیت مارے گئے۔ القاعدہ نے اب اپنے ممبران کو ہدایت کر دی کہ نہ صرف داعش سے بات چیت نہ کریں بلکہ وہ ان کے دشمن ہیں۔ داعش کو اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ القاعدہ ماضی کی طاقت تھی۔ بغدادی کے پاس مستقبل تھا۔ تجربہ کار جنگجو، بہترین ہتھیار، دنیا بھر سے آنے والی امداد۔

داعش اب میدانِ عمل میں تھی۔

رقہ کی فتح

شام کے مشرقی صوبائی دارالحکومت رقہ دریا کنارے آباد ایک تاریخی شہر ہے جہاں بیرونی حملہ آور آکر قبضہ کرتے رہے ہیں، یونانی، رومی، فارسی، منگول، عثمانی اور دوسرے۔ اب جہادیوں کی باری تھی۔ 2013 کے موسمِ گرما میں داعش کے دستے سفید پک اپ ٹرکوں میں اس شہر میں آتے تھے اور یہاں پر فری سیرین آرمی ہیڈ کوارٹر کے جنگجوؤں کا مقابلہ کرتے تھے۔ ایک ایک کر کے یہاں سب کو نکال کر داعش شہر پر قابض ہو گئی۔ شہر کی سوا دو لاکھ آبادی کو دولتِ اسلامیہ کے اقتدار میں زندگی کا تلخ تجربہ کرنے والی پہلی آبادی تھی۔

نئے آنے والوں نے شہر پر قبضہ کر کے وقت ضائع نہیں کیا اور شہر کو اپنا بنالیا۔ داعش کا جھنڈا شہر کے مرکزی گھنٹہ گھر کے گرد لپیٹ دیا۔ یہاں پر کلاک ٹاور سے فہرست نشر ہو رہی تھی کہ کیا کچھ برداشت نہیں کیا جائے گا۔ داعش کی اس حکمرانی کی تصویریں بنانے والا رقہ شہر کا بہادر نوجوان ابو ابراہیم تھا۔ اپنے دو ساتھیوں سمیت اس نے اگلے اٹھارہ مہینے تک رقہ میں ہونے والی تبدیلیوں کی تصاویر اور ویڈیوز بنائیں اور انٹرنیٹ پر پوسٹ کیا کہ رقہ میں کیا ہو رہا ہے۔

داعش کی فاتحانہ آمد سے ایک ہفتہ پہلے سڑکوں پر خونی لڑائیاں ہوئی تھیں جس نے سڑکوں کو لاشوں سے بھر دیا تھا۔ شہر کی آبادی گھروں میں محصور ہو کر رہ گئی تھی کہ باہر نکلنے پر گولی کا نشانہ نہ بن جائیں۔ خوراک ختم ہونے لگی تھی۔ اور پھر ایک دن غیر ملکی جنگجوؤں کی قطاریں آنا شروع ہو گئیں۔ اکثر کا تعلق عراق سے تھا۔ داعش کی اس فوج نے شہر کی بڑی سرکاری عمارات پر سیاہ جھنڈے لہرا دئے اور دعویٰ کر دیا کہ رقہ اسلامی ریاست کا دارالخلافہ ہے۔ داعش کے جنگجو ہتھیار لے کر شہر میں اعلان کرنا شروع ہو گئے کہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گلیوں اور سڑکوں پر بکھری لاشیں اٹھانے لگے۔

رقہ کے شہریوں کو نہیں پتا تھا کہ یہ کیسے لوگ ہوں گے۔ کچھ نے سکون کا سانس لیا کہ لڑائی ختم ہو گئی ہے۔ دکانیں کھل گئی ہیں۔ شہر محفوظ ہو گیا ہے۔
اور پھر قتل شروع ہو گئے۔

ابو ابراہیم نے سب سے پہلے ایک نوجوان کو دیکھا جسے داعش کے کمانڈر مجرم کہہ رہے تھے۔ اس کا جرم نہیں بتایا گیا لیکن رقہ کے مرکزی پلازا کے آگے اس کو کھڑا کر کے سزا سنائی گئی۔ پھر اس کے سر میں گولی مار دی گئی۔ ایک چھوٹا مجمع یہ دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد اس کی لاش کو ایک تختے کے ساتھ کیلوں سے لگا کر مصلوب کر دیا گیا۔ یہ تین روز تک سب کے سامنے گلتی سڑتی رہی۔

دوسرے شخص کو اس سے کچھ دن بعد مصلوب کیا گیا۔ اس کے بعد ایک گروپ کو موت کی سزا دی گئی جس میں اسی جگہ پر سات ٹین ایجرز کو مارا گیا۔ کچھ مخالف اور ہارنے والی ملیشیا کے ممبر معلوم ہوتے تھے۔ اس بار ان کے سر کاٹ کر شیر کے پارک کی باڑ کے ساتھ لٹکا دئے گئے۔ لوگ اب خوفزدہ تھے۔ نئی فورس اپنے آمد کا اعلان کر چکی تھی۔

شہر میں تین چرچ تھے جن کو تالے لگا دئے گئے اور صلیب گرا دی گئے۔ نیلے گنبد والی شیعہ مسجد مسمار کر دی گئی۔ سگریٹ اور الکوحل کے ڈھیر لگا کر نذرِ آتش کر دیا گیا۔ داعش نے اب اپنے نشان بنانا شروع کئے۔ پولیس سٹیشن کو سیاہ رنگ میں رنگ دیا گیا اور اس کو شریعت کورٹ قرار دیا گیا۔ حسبہ کے نام سے مذہبی پولیس قائم ہو گئی جن کے پاس اختیار تھا کہ جس کو چاہیں قانون قرار دیں۔ نمازوں کے اوقات میں دکان بند کرنا، لباس اور طرزِ عمل کی پابندیاں آ گئیں۔ موسیقی کی دکانوں کے علاوہ مغربی لباس کی دکانیں بھی بند ہو گئیں۔ خواتین کا عبایا ڈھیلا نہ ہونا یا پھر پتلا ہونا جرم قرار پایا۔ معیار؟ جو حسبہ والے کے مزاج میں آئے۔

ان قوانین کی خلاف ورزی پر سزا بھی اس پولیس کی صوابدید تھی۔ ڈانٹ، مار، جرمانہ، کوڑے یا اس سے زیادہ شدید ہو سکتی تھی۔ سزائے موت دھڑا دھڑ بٹنے لگی۔ بعض اوقات ایک یا دو ہفتے تک کسی کو نہیں۔ بعض اوقات ایک روز میں پانچ۔ جو اس نئی حکومت کا جی کرے۔ عام لوگوں کے لیئے جرمانے اور فیس ہر چیز پر تھے۔ دکان چلانے، گاڑی پارک کرنے، کوڑا اٹھانے کی فیس اکٹھی کی جانے لگی۔ اس سے غیر ملکی جنگجوؤں کو تنخواہ دی جاتی تھی۔

لیکن سب سے برا اس شہر کے بچوں کے ساتھ ہوا۔ کئی مہینے سکول بند رہے۔ پرانے نصاب کو "کافروں کی

کتابیں" قرار دے دیا گیا۔ جب سکول کھلے تو اس میں اب داعش کا نصاب تھا۔ شہر میں یتیم ہو جانے والے بچے اور ٹین ایجر عسکری کیمپ بھیج دئے گئے جہاں پر رائفل شوٹ کرنے اور خودکش ٹرک چلانے کی تربیت پانے لگے۔ ان کمسن لڑکوں کے لئے کلاشنکوف میں کشش تھی۔ اس سے عزت ملتی تھی۔ داعش میں جری جنگجو بھرتی ہونے لگے۔

سوشل میڈیا پر ان کیمپوں کے ورچوئل ٹور کروائے جاتے۔ ٹوئٹر پر ان کی فوٹو اور ویڈیو دکھائی جاتیں جہاں بچے ہتھیار استعمال کرنا اور عسکری تربیت لے رہے ہیں۔ تصاویر جن میں ان لڑکوں کو قیدیوں کو قتل کرتے دکھایا جا رہا ہے۔ پہلے سے بھرتی پر عزم فوج میں نئے وفاداروں کا اضافہ کیا جا رہا تھا۔

دنیا کے کئی ممالک سے ان کے ساتھ شریک ہونے لوگ آ رہے تھے۔ دس ہزار کی فوج داعش کے پاس تھی۔ دوسرے باغی گروپ جس میں جبہت النصرہ جیسی اسلامسٹ تنظیمیں اور سیکولر فری سیرین آرمی تھے اب یہ دیکھ رہے تھے کہ رضاکار بھرتی کرنے کا مقابلہ داعش آسانی سے جیت رہی ہے۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ داعش تنخواہ بہتر دیتی تھی اور دوسرا یہ کہ ان کی نظر شام سے آگے تھی۔ ان کے اس پیغام میں دوسرے ممالک سے آنے والوں کے لئے کشش تھی۔

فیس بک اور ٹوئٹر پر داعش کے پیج روزانہ یورپ، شمالی افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ سے آنے والوں کے پیغامات دکھاتے تھے۔ جہاد کے دنیاوی اور اخروی فوائد گنوائے جاتے تھے۔ اگست 2013 میں نصر الدین الشامی نے کہا، "میں داعش کے جھنڈے تلے اس لئے ہوں کہ یہاں عرب اور غیر عرب برابر ہیں۔ یہاں شامی بھی ہیں، مصری بھی، جزیرہ نما سے بھی، مغرب سے بھی، ترکی سے بھی، پاکستان سے بھی۔ ہم سب برادر ہیں اور ہم سب اسلام کے نام پر متحد ہیں"۔ ایک برطانوی ریکروٹ نے کہا، "یہاں پر بہت مزا آ رہا ہے۔ آپ نے کال آف ڈیوٹی ویڈیو گیم کھیلی ہو گی۔ یہ اصل دنیا میں ویسی کھیل ہے۔ سب کچھ آپ کے سامنے ہو رہا ہے"۔ برِ صغیر سے آنے والے ایک نے اپنے پیغام میں کہا، "خلافت قائم ہونے لگی ہے۔ عالمِ اسلام کے لئے مسرت کا وقت ہے۔ دوست دشمن کی پہچان واضح ہے۔ اس موقع کو چھوڑ کر جو گھر بیٹھ گیا، وہ خسارے میں ہے"۔

رقہ کے بازاروں میں مسلح جنگجو اب مقامی آبادی سے زیادہ کی تعداد میں تھے۔ داعش کا قبضہ مستقل لگ رہا تھا۔

فیس اور بھتہ وصول کرنے کے علاوہ ان کے پاس تیل کی آمدنی تھی۔ شام کے صحرا میں ان کے قبضے میں جو کنویں تھے، ان سے چالیس ہزار بیرل تیل روزانہ بیچا جا رہا تھا۔ کبھی کوڑے مارنے اور کسی کو قتل کر دینے کے درمیان یہ جنگجو آپس میں خوش گپیاں لگاتے یا کیفے وغیرہ میں نظر آتے تھے۔

دولتِ اسلامیہ قائم ہو گئی تھی۔ یا کم از کم اس کا ابتدائی چھوٹا ورژن کیونکہ ہر طرح کا نظم و نسق ان کے پاس تھا۔ ابو ابراہیم کے مطابق، "رقہ کے شہریوں کے لئے پسماندگی اور دہشت کا کلچر رہ گیا تھا۔ فکر کی روشنی بجھ چکی تھی"۔

رقہ پر داعش کا قبضہ 2017 تک رہا جب داعش کو یہاں پر سیرین ڈیموکریٹک فرنٹ کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ داعش کے لئے یہ بڑا دھچکا تھا لیکن اس قبضے کو حاصل کرنے جنگ میں فضائی حملوں اور توپخانے کے گولوں نے اس شہر کی اسی فیصد عمارتیں تباہ کر دیں۔ شہر کو ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ ساتھ لگی تصویر سیرین ڈیموکریٹک فورس کے فوجی کی 25 ستمبر 2017 کو لی گئی۔ اس وقت رقہ سے داعش کا قبضہ چھڑوانے کا آپریشن آخری مراحل میں ہے۔

خلافت کا قیام

زید ان الجبیری، رامادی کے قریب رہنے والے ایک قبائلی راہنما تھے جن کا بھیڑیں پالنے کا بڑا فارم تھا۔ انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ان کا امریکیوں پر اعتماد کب ختم ہوا تھا۔ جب عراق پر امریکہ نے حملہ کیا تھا تو انہیں یہ امید تھی کہ شاید کچھ بہتری آئے گی اور ملک ایک پولیس سٹیٹ سے بدل کر آزادی کا رخ کرے لیکن پھر 28 اپریل 2003 آ گیا۔ بغداد پر صدام حکومت کو ختم ہوئے تین ہفتے گزر چکے تھے اور ابھی جارج بش کی "مشن پورا ہوا" کی مضحکہ خیز تقریر ہونے میں تین روز رہتے تھے۔ چالیس سالہ شیخ زید ان یہ دیکھ رہے تھے کہ نئے حکمران کیسے ملک کو چلاتے ہیں۔ لمبے کرفیو اور سفری پابندیاں ان کے اون اور گوشت کے کاروبار کے لئے اچھی نہ تھیں۔ لیکن دلیم قبیلے کے دوسرے افراد کی طرح وہ ان نئے آنے والوں کو ابھی موقع دینا چاہتے تھے۔

حملہ آوروں کے ٹینک قریبی شہر فلوجہ میں پہنچے تھے اور اپنا کیمپ سرکاری عمارتوں میں قائم کیا تھا۔ اس روز کرفیو کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دو سو نوجوان امریکہ مخالف نعرے لگاتے ہوئے احتجاج کرنے نکلے تھے۔ قابضین کے خلاف احتجاج کر رہے تھے کہ امریکیوں کی طرف سے فائر آیا۔ سترہ مظاہرین اس میں ہلاک ہو گئے۔ عراقی غصے میں بپھر گئے لیکن زید ان صلح کے موڈ میں تھے۔ انہوں نے ایک انبار صوبے کے دوسرے قبائلی لیڈروں کے ساتھ ملکر ایک حل ڈھونڈا اور فلوجہ میں امریکی کمانڈروں کے پاس گئے۔

"ہم قبائلی ہیں اور قبائل حل پیش کرنے آئے ہیں۔ مرنے والوں کے خاندان ہیں۔ ان کے بچے ہیں۔ ان خاندانوں کو دیعت دے دیں۔ ان کا مستقبل بھی محفوظ ہو جائے گا۔ ان خاندانوں کے بچے جنگ کا راستہ بھی نہیں لیں گے"۔

اس کا جواب کچھ دنوں کے بعد آیا۔ امریکہ دیعت دینے کو تیار تھا۔ اس کا ریٹ تین ہزار ڈالر لگایا گیا تھا۔ زید ان "تین ہزار ڈالر؟ کیا یہ پولیس کے کتوں کا ریٹ ہے یا عراقی انسانوں کا"۔ شدید غصے میں تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ "اس کے بعد مجھے پتا لگ گیا کہ ان نو واردوں سے کوئی اچھی امید نہ رکھی جائے"۔

زیدان جب تیس سال کے تھے، اس وقت صدام حسین کے خلاف ائیر فورس کے جنرل نے بغاوت کا منصوبہ بنایا تھا۔ اس منصوبہ پکڑے جانے پر ڈیڑھ سو فوجی افسوں کو سزائے موت دی گئی تھی جبکہ زیدان اور ان کے بھائی سمیت ہزاروں افراد گرفتار ہو گئے تھے۔ ان کو سزائے موت دئے جانے کے بالکل قریب معافی دے دی گئی تھی۔ یہ صدام حسین کا سُنی قبائل سے تعلقات بہتر کرنے کے لئے لیا گیا اقدام تھا۔

زیدان صدام کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن ایک قوم پرست تھے جنہیں عراقی ہونے پر فخر تھا۔ "عراقی تہذیب سات ہزار سال پرانی ہے جبکہ امریکی دو سو سال پرانی۔ ان کا ہم سے کیا مقابلہ"۔

زیدان نے پھر بھی امریکیوں سے تعلقات ٹھیک رکھنے کی کوشش کی۔ امریکی یومِ آزادی کے وقت کمانڈر کو قبائلی لیڈروں کی طرف مبارک دینے جہاں پر گفتگو کے دوران ہونے والی تلخی سے زیدان نے اندازہ لگا لیا کہ یہ نووارد فوجی نہ صرف نالائق ہیں بلکہ عراق اور اس کی تہذیبی روایات سے مکمل طور پر بے خبر بھی۔ اٹھتے ہوئے زیدان نے میرین کمانڈر کو کہا، "تم لوگ یہاں زیادہ دیر نہیں رہ سکو گے"۔ زیدان نے دیکھ لیا تھا، "اصل جنگ اب شروع ہوئی ہے"۔

زیدان نے امریکیوں کے خلاف 2004 میں اپنے لوگوں کو لڑتے دیکھا۔ پھر زرقاوی کے خلاف "بیداریٰ انبار" تحریک میں القاعدہ کو یہاں سے نکالنے میں مدد کی۔ پھر امریکی فوج کے چلے جانے کے بعد عراقی حکومت کی فرقہ میں ہتھیار اٹھاتے دیکھا۔ زیدان کے مطابق، "امریکیوں نے جو بھی برا کیا، 2010 وارانہ حرکتوں کے خلاف عراقی حکومت نے اس سے بھی بدتر۔ امریکی کم از کم مذہب کا احترام کرتے تھے۔ مسجدوں میں نہیں گھس کر مارتے تھے۔ ایران کی پشت پناہی والے یہ لٹیرے اور فرقہ پرست مذہبیوں نے تو کسی چیز کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ 2012 میں نور المالکی حکومت نے جب حکومت پر تنقید کرنے والے مقبول سیاستدان اور سابق وزیرِ خزانہ رفیع ال عیسوی کو گھر سے گرفتار کر لیا تو فلوجہ میں حکومت مخالف مظاہرے شروع ہوئے جو اگلے برس تک چلتے رہے۔ ایک سال بعد مالکی حکومت نے سخت ایکشن لیا۔ جواب میں ہونے والی جھڑپوں کا سخت ردِ عمل آیا۔ دلیم قبائل نے داعش سے اتحاد کر لیا۔ اس کو سابق بعث تنظیم نقشبندی آرڈر سے بھی مدد مل گئی۔ حکومت سے خائف قبائل نے فلوجہ داعش کے حوالے کر دیا گیا۔

عراق میں داعش کے پاس آنے والا یہ پہلا شہر تھا۔ زیدان الجبیری کے مطابق، "یہ ایک قبائلی بغاوت تھی"۔

داعش کا بڑا حملہ 5 جون 2014 کی رات کو شروع ہوا۔ بغدادی کے البدری قبیلے کے شہر سامراء کے جنوب میں پولیس سٹیشن کو اڑا دیا گیا۔ کچھ گھنٹوں بعد پک اپ ٹرکوں میں ڈیڑھ سو جنگجو اینٹی ائیر کرافٹ گنیں لئے شہر میں داخل ہوئے۔ اس کی مرکزی میونسپل عمارت پر اور شہر کی یونیورسٹی پر قبضہ کر لیا۔ العسکری مسجد کے قریب پولیس دفاعی پوزیشن لے چکی تھی۔ عراقی فوج کو بغداد سے روانہ کیا گیا۔ حملہ آور پیچھے ہٹ گئے لیکن داعش فلوجہ سے لے کر شامی سرحد تک چھ قصبوں پر قبضہ کر چکی تھی۔

داعش کا بڑا دستہ ڈیڑھ ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ یہ موصل کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اٹھارہ لاکھ آبادی والے اس قدیم شہر کی حفاظت کیلئے عراقی فوج کی تعداد کاغذوں پر پچیس ہزار تھی جبکہ اصل میں دس ہزار کے قریب تھے۔ باقی یا تو چھوڑ چکے تھے یا گھر بیٹھ کر تنخواہ وصول کرتے تھے۔ اسلحہ داعش کے پاس زیادہ تھا۔

تموض میں داعش کا پہلا دستہ پک اپ ٹرکوں پر سوار مشین گنوں سے گولیاں برساتا نمودار ہوا۔ ساتھ ہی داعش کے شہر میں چھپے سیل متحرک ہو گئے۔ شہر کے اندر سے گرینیڈ اور فائر آنے لگا۔ دفاع کرنے والی فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ چند گھنٹوں بعد داعش کے ٹرک موصل ہوٹل کے قریب پہنچ چکے تھے جہاں پر جنرل غورای کا کمانڈ سنٹر تھا۔ فیصلہ کن مرحلہ شام ساڑھے چار بجے آیا۔ دھماکہ خیز مواد سے بھرا ہوا ایک بڑا ٹرک اس ہوٹل سے جا ٹکرایا اور عراقی فوج کا کمانڈ سنٹر اڑا دیا۔ اس نے پورے موصل کو ہلا کر رکھ دیا۔ عراقی فوج جلد ہی شکست کھا چکی تھی۔ پولیس اور فوج کے جوان اپنی وردیاں اتار کر سادہ کپڑوں میں بھاگ رہے تھے۔ پکڑے جانے والوں کو قطار میں کھڑا کر کے گولیوں سے بھون دیا جاتا تھا۔

چار دن کے اندر دس جون کی دوپہر تک جہادی موصل کا ائیر پورٹ اور شہر کا زیادہ تر حصہ کنٹرول کر رہے تھے۔ شہر کے بینک کیش سے خالی کر دئے گئے تھے۔ عراقی فوج اور حکومت کا ساز و سامان مالِ غنیمت کے طور پر قبضے میں لی لیا گیا تھا۔ موصل کی جیل میں قبضہ حاصل کیا گیا۔ سُنی قیدی رہا کر دئے گئے۔ 670 شیعہ، کرسچن اور کردوں کو وہیں سزائے موت دے دی گئی۔ اس دن کے آخر تک عراق کا دوسرا بڑا شہر داعش کے قبضے میں تھا۔

عراقی فوج پسپائی اختیار کر کے دوبارہ مجتمع ہوئی اور داعش کا بغداد کی طرف مارچ روک دیا۔ جون کے آخر تک شام اور عراق میں داعش کے پاس اتنا علاقہ تھا جتنا اسرائیل اور لبنان کو ملا کر مجموعی رقبے سے زیادہ تھا۔ اس میں تیل کے کنویں، ریفائنریاں، ہسپتال، یونیورسٹیاں، آرمی بیس، فیکٹریاں، بینک سب کچھ داعش کے کنٹرول میں تھا۔ بغدادی کی صرف کیش ہولڈنگ ہی نصف ارب ڈالر تک پہنچ چکی تھی۔

داعش کی ریاست قائم ہو گئی تھی۔

جمعے کی نماز کے وقت 4 جولائی کو بغدادی موصل کے بڑی جامع مسجد میں پہنچے۔ زرقاوی کے سابق شاگرد نے اپنے پہلی عوامی رونمائی میں علامات کا استعمال بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ سیاہ لباس اور پگڑی، جو حجۃ الوداع کے لباس کی سنت تھی۔ منبر کی سیڑھیاں ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ وقفہ دے کر چڑھیں۔ اوپر پہنچ کر بات شروع کرنے سے پہلے جیب سے مسواک نکالی۔ مسواک کر کے حاضرین کی طرف منہ کیا۔ فتح کا اعلان کیا۔ کہا کہ جس خلافت کا سب خواب دیکھتے آئے ہیں، اس کا وقت آ گیا ہے۔ مجاہدین کو شاندار فتح نصیب ہوئی ہے۔ برسوں کے صبر اور جہاد کا پھل مل گیا ہے۔ خلافت قائم ہو گئی ہے۔ صدیوں سے جاری خلا پر کر دیا گیا ہے۔ اگرچہ وہ خود اس بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہیں سمجھتے لیکن عارضی طور پر اس امتِ مسلمہ کے خلیفہ کی بھاری ذمہ داری نبھانے کے لئے تیار ہیں۔

اب پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ مسلمانوں کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے ان کی پیروی کریں۔ ہم اسلام کی، مسلمانوں کی اور اسلامی زمینوں کی حفاظت کی گارنٹی دیں گے۔ بڑی مشکلات اور سخت جنگیں ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن ہمیں مسلمانوں کو آزاد کروانا ہے۔ اپنے ہتھیار تیار کر لیں اور اپنا تقویٰ بھی۔ قرآن کو تھام لیں۔ ہماری نظریں اب روم تک ہیں۔

اپنا خطبہ ختم کر کے، خلافت کا اعلان کر کے، بغدادی منبر سے ویسے ہی اترے۔ نماز ادا کی اور اپنے باڈی گارڈز کے حصار میں مسجد سے باہر چلے گئے۔ جنگ کے اگلے مرحلے اور اپنی حکمرانی کی تیاری کرنے کیلئے۔

زیدان الجبیری اور کئی دوسرے عراقیوں نے داعش کے ساتھ ڈیل اس لئے کی تھی کہ وہ حکومت کی فرقہ پرست پالیسیوں اور ایران کی پشت پانی والی ملیشیا سے تنگ تھے۔ ان کا داعش کے بارے میں اندازہ ٹھیک نہیں نکلا۔ فلوجہ اور موصل پر قابض داعش رقہ جیسی داعش سے مختلف نہ تھی۔ ویسے ہی ظالمانہ طریقے۔ عراقی فوجیوں کو کیمروں کے آگے پریڈ کر کے لایا جاتا۔ گولیاں مار کر گڑھوں میں پھینک دیا جاتا۔ کسی پر کفر کا شک کر کے سڑک پر ہی قتل کر دیا جاتا۔ بابل کے وہ آثارِ قدیمہ جس پر زیدان اور دوسرے عراقی فخر کرتے تھے۔ توڑ دئے گئے۔ جن عراقیوں نے ان کو خوش آمدید کیا تھا، وہ اس قسم کی حکومت کے لئے تیار نہیں تھے لیکن اب یہ دعوت نامہ واپس نہیں ہو سکتا تھا۔

لوگ حکومت سے بد ظن تھے۔ داعش نے اس سے فائدہ اٹھایا تھا۔ بارہ سال سے جاری عراقی تنازعے کی خلا کو پر کیا تھا۔ صرف عراق میں ہی نہیں۔ داعش نے دوسرے ممالک میں اپنے ولایت کا اعلان کیا۔ سعودی عرب، لیبیا، الجزائر، نائیجیریا، یمن، افغانستان، پاکستان میں بھی۔

ظالم حکومتوں سے نجات کا نعرہ بلند کرنے والی اور منصفانہ معاشرے کا اعلان کرنے والی داعش نے اپنے زیرِ انتظام علاقوں میں ایک بدترین مسلح ڈکٹیٹر شپ دی۔۔۔ دولتِ اسلامیہ جس میں کرپشن، ظلم اور موت تھی۔

پائلٹ

عرب دنیا میں جذبات کو آگ لگا دینے والا کام مشرقی شام میں 3 جنوری 2015 کی سرد صبح کو ہوا۔ رقہ میں ایک تباہ شدہ عمارت کے پیچھے داعش کی میڈیا ٹیم نے ویڈیو کیمرے اور ایک دھات کا پنجرہ سیٹ کر دیا تھا۔

اس فلم میں کام کرنے والے کم از کم دو درجن ایکسٹرا ایک جیسے ماسک اور یونیفارم پہنے اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ پھر اس ویڈیو کے مرکزی کردار کو لایا گیا۔ چھبیس سالہ معاذ۔۔۔ اردن کی فضائیہ کے لڑاکا پائلٹ اب ایک نارنجی سوٹ میں تھے اور ایک دھندلکے والی صبح میں اپنے انجام کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ معاذ الکساسبیہ کے پکڑے جانے کے بعد کی پہلی تصویر تھی۔ نوجوان پائلٹ کا چہرہ سوجا ہوا اور خراش زدہ تھا۔ یہ ان کو پڑنے والی مار کے نشان تھے۔ فلم کے اس سیٹ پر لانے سے پہلے ان کو ایک کیمرہ کے سامنے بٹھا کر ان سے بیان سنوایا گیا۔
میں فرسٹ لیفٹیننٹ معاذ صافی یوسف الکساسبیہ ہوں۔ اردن کی شاہی فضائیہ کا افسر"۔"

کے اس پائلٹ کا تین سال کا تجربہ تھا اور 24 دسمبر کو رقہ میں داعش کے ٹھکانوں کو نشانہ بنانے آئے 16 ایف تھے۔ ہر کوئی اب داعش کے خلاف متحد ہو گیا تھا۔ سعودی عرب، قطر، متحدہ عرب امارات کی افواج اردن کے ساتھ اس کارروائی میں شامل تھیں۔ معاذ بمباری کے مشن پر تھے جب ان کا طیارہ میزائل کا نشانہ بن گیا۔ جلتے طیارے کو انہیں خیر باد کہنا پڑا اور وہ نیچے دریا میں گر گئے جہاں سے انہیں داعش کے ایک سیاہ داڑھی اور مضبوط جسم والے جنگجو نے گرفتار کر لیا۔ معاذ نے اپنا یہ واقعہ "میں اب مجاہدین کا قیدی ہوں" کے فقرے سے ختم کیا۔

اس سوئر کے ساتھ "اس وقت غالباً معاذ کو نہیں معلوم تھا کہ ان کی قسمت کا فیصلہ کیا کیا جا چکا تھا۔ داعش ٹوئٹر پر کیا کیا جائے "کا ٹرینڈ عربی میں چلا کر معاذ کو مارنے کے طریقے پر آراء حاصل کرتا رہا تھا۔ اب فیصلہ لے لیا گیا تھا۔ ان کے انجام کو فلمانے کی تیاری مکمل تھی۔

دریا سے چند سو فُٹ دور دھات کا پنجرہ بنایا گیا تھا۔ داعش کے میڈیا کے عملے نے ٹرائیپوڈ پر کئی زاویوں سے کیمرے سیٹ کئے تھے۔ اس روز یہ سب تیار تھا۔ یہ ایک پروفیشنل پروڈکشن تھی۔ زرقاوی کی لوگوں کے گلے کاٹنے والی ویڈیوز سے بہت بہتر کوالٹی کی۔ اس میں اعلیٰ معیار کے کمپیوٹر گرافک تھے۔ اس کے جاری ہونے والی فائنل ورژن میں اردن کے شاہ عبداللہ کو تقاریر کرتے اور امریکی صدر اوبامہ سے مصافحہ کرتے دکھایا گیا۔ ایف 16 کے طیارے کے دو ٹکڑے ہونے کی گرافک چلی جو اس کے عنوان میں بدل گئی۔ "مومنین کے دلوں کی ٹھنڈک" اس ویڈیو کا عنوان تھا۔

اس میں شام کی تباہ شدہ عمارتیں دکھائی گئیں۔ پائلٹ کو بچوں اور دوسرے مرنے والوں کی لاشوں کے پس منظر میں دکھایا گیا۔ ایک کیمرہ معاذ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ معاذ آہستہ آہستہ نقاب پوش لوگوں کے ساتھ پنجرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سردی میں ان کی سانس سے بنتے بخارات نظر آ رہے تھے۔

اگلے منظر میں وہ پنجرے کے اندر تھے، سر دعا کے لئے جھکا ہوا۔ ان کا لباس اب ایندھن میں تر تھا۔ ایک نقاب پوش ایک مشعل جلا کر بڑھا اور پاوڈر کو آگ لگا دی۔ شعلہ پنجرے کی طرف جا رہا تھا۔ اگلے چند ہی سیکنڈ میں معاذ شعلوں کی لپیٹ میں تھے۔ اچھلتے کودتے اور چیخیں مارتے پائلٹ کے پاس راہِ فرار نہیں تھی۔ آخر میں وہ اپنے بازو چہرے کی طرف لے آتے ہیں اور گھٹنے کے بل گر جاتے ہیں۔ پھر ان کا سیاہ جسم گر پڑتا ہے۔ ایک بلڈوزر اس پنجرے کو کنکریٹ اور مٹی تلے کچل دیتا ہے۔

اگلے منظر میں کیمرہ زوم ہوتا ہے اور پائلٹ کا جل کر سیاہ ہو جانے والا ہاتھ اس ملبے سے نظر آ رہا ہے۔ اپنے اختتام میں یہ ویڈیو دوسرے اردنی پائلٹوں کے نام اور تصاویر دکھاتی ہے اور ساتھ انعام کا اعلان کیا جاتا ہے کہ ہر پائلٹ کو پکڑنے والے کو یا مارنے والے کو سونے کے سو سکے دئے جائیں گے۔ بولنے والے کی آواز آتی ہے کہ ایسا کرنے والے کو نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی انعام ملے گا اور وہ جہنم کی آگ سے محفوظ رہے گا۔

یہ ہولناک کام صبح کو ہی فلما لیا گیا تھا۔ اسکی ویڈیو کو ایڈٹ کرتے اور پبلک کے لئے تیار کرتے کچھ ہفتے لگے۔ اس دوران داعش اردن کی حکومت سے اس کی رہائی کے بدلے ساجدہ الرشادی کی رہائی کی بات چیت کرتا رہا۔ وہ ناکام خودکش حملہ آور جسے زرقاوی نے ریڈیسن ہوٹل پر خودکش حملہ کرنے بھیجا تھا اور وہ اردن کی جیل میں

تھی۔

داعش نے دلخراش مناظر کے ذریعے دنیا کو متوجہ کرنے کا کام پہلی مرتبہ نہیں کیا تھا۔ لوگوں کے گلے کاٹنے سے لے کر ان کو مصلوب کرنے تک قتل کرنے کے نت نئے طریقے تلاش کرنا اس کا دستخط رہا تھا لیکن اس بار عرب دنیا سے شدید ردِ عمل آیا۔ "آگ کا عذاب صرف اللہ دے سکتا ہے۔ اس فعل کا کسی بھی طرح دفاع نہیں کیا جا سکتا"۔ سعودی سکالر سلمان العودہ نے ٹویٹ کیا۔ سعودی مفتی اعظم نے کہا کہ "نہ صرف داعش مسلمان نہیں، بلکہ مسلمانوں کے دشمن ہیں"۔

اس کا ردِ عمل جہادی سکالر المقدیسی سے آیا۔ زرقاوی کے استاد اور القاعدہ کے رہنما اس سے پہلے زرقاوی سے اپنا تعلق عام شیعہ آبادی کے قتل کی وجہ سے توڑ چکے تھے۔ اس سے پہلے برطانوی ایڈورکرہیننگ کا سر کاٹنے کی ویڈیو پر کڑی تنقید کر چکے تھے۔ اردنی پائلٹ کو چھڑوانے کے لئے داعش کو سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ یہ ویڈیو آ گئی۔ "وہ مجھ سے قسم کھا کر جھوٹ بولتے رہے۔ مجھے پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ پائلٹ کو پہلے ہی قتل کر چکے ہیں۔ یہ صرف قصائی ہیں۔ کیا یہ اسلام ہے"۔

مصر میں اردن کے پائلٹ کے پکڑے جانے کے ایک ہفتے بعد صدر نے قاہرہ میں جامعہ الازہر میں تقریر میں کہا، "ہمیں اپنے آپ کو اور آج کی صورتحال کو ذرا ٹھنڈے دل سے دیکھنا ہے۔ یہ کونسا نظریہ ہے جو پوری قوم کو قتل اور تباہی کا نشان بنا رہا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں جن سے بات کرنا بھی مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں کچھ اپنے گریبان میں جھانکنا ہے۔ داعش اور القاعدہ علامتیں نہیں، ہمارا بحران ہیں۔ اس کا علاج ہم مسلمانوں نے ہی کرنا ہے"۔ انہوں نے جامعہ الازہر کے امام احمد الطیب کو مخاطب کر کے کہا، "فکری قیادت آپ کی ذمہ داری ہے"۔

جب داعش کی ویڈیو سامنے آئی تو جامعہ الازہر کے امام کا کہنا تھا کہ نہ صرف یہ اسلامی نہیں بلکہ یہ شیطانی عمل ہے۔ اس کے بعد الازہر نے انتہاپسندوں کے خلاف اپنا کریک ڈاون شروع کیا۔ وہ جو تشدد کرنے والوں سے ہمدردی رکھتے تھے، ان کی برطرفیاں شروع ہوئیں۔

داعش اس کے بعد بھی مقبول رہی۔ ہزاروں نوجوان اس کی طرف آتے رہے۔ امریکی جیٹ طیارے اور عرب ممالک کی جیلیں اس آگ کے لئے ایندھن کا کام کرتے رہے۔ ایسے لوگ بھی رہے جو پائلٹ کو آگ لگانے کا دفاع بھی کرتے رہے۔ "اصل قصوروار تو کوئی اور ہے"، "یہ پائلٹ یہاں کیا کر رہا تھا" جیسے سوال اٹھاتے رہے۔ "ہمیں ایسا کرنے کی وجہ سمجھی چاہیے" جیسے کھوکھلے دفاع بھی کئے جاتے رہے۔

ایک شخص جو اب بغیر کسی اگر، مگر کے واضح فیصلہ لے چکا تھا، وہ اردن کے بادشاہ تھے۔

شاہ عبداللہ اس وقت امریکہ میں تھے۔ جب وطن واپس پہنچے تو بتا کر آئے تھے کہ اب وہ جنگ لڑنے جا رہے ہیں۔ "میرے پاس اسلحہ ناکافی ہے، لیکن جو کچھ بھی ہے وہ اب استعمال نہ کیا تو اس کو بچا کر کیا کرنا ہے"۔ یہ انہوں نے امریکی انتظامیہ کو کہا۔ پیغام اردنی فوج کو دیا جا چکا تھا۔ ان کا طیارہ لینڈ ہونے سے پہلے ایک کے بعد اگلا مشن داعش کو نشانہ بنانے اڑنے لگا تھا۔ تربیتی کیمپ، بیرک، ہتھیاروں کے ڈپو نشانے پر تھے۔ ان ریلوں میں ایک دن میں داعش کے پچاس جنگجو نشانہ بنے۔

اس روز، جب شاہ عبداللہ سوٹ میں ملبوس اور سر پر کفایہ باندھے جب سیکورٹی کونسل سے بات چیت کر رہے تھے تو ٹی وی کیمرہ اس کو لائیو دکھا رہا تھا۔ "یہ جنگ ہمارا دین، ہماری اقدار اور انسانیت بچانے کی ہے۔ ہم ان مجرموں پر کاری وار کریں گے"۔

اس سے باہر ایک غیر معمولی نظارہ تھا۔ ہزاروں اردنی اپنے بادشاہ کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرنے کے لئے سڑکوں پر جمع تھے۔ نوجوانوں کا ہجوم، جو شام تک موم بتیاں جلائے اور پلے کارڈ پکڑے کھڑا رہا۔ عمان کی مساجد میں بھی اور چرچ میں بھی معاذ کے لئے دعا مانگی جا رہی تھی۔

ایک چھوٹے ملک کو اپنی دو سرحدوں پر دہشت گرد فوج کا سامنا تھا۔ اردن اس کے خلاف متحد تھا۔ "ہم اسلام کی اصل اقدار کو بچانے کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ یہ صرف ابتدا ہے۔ سب دیکھ لیں گہ کہ اردنی کون ہیں"۔ یہ بیان اردن کے فوجی سربراہ کی طرف سے آیا۔

بمباری کا اگلا ریڈ تیار تھا، جب شاہ عبداللہ کرک شہر میں الکساسبیہ خاندان کے پاس پہنچے۔ بڑا مجمع ان کے استقبال کے لئے آیا ہوا تھا۔ وہ پائلٹ کے گھر گئے۔ معاذ کے بزرگ والد کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر انہیں باہر لے آئے۔ دونوں نے سرخ اور سفید کفایہ پہنا تھا، جو اس علاقے کی صدیوں پرانی روایت ہے۔ ان کے ساتھ چلتے ہوئے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت، بمباری کا مشن مکمل کر کے آنے والے طیارے پائلٹ کے گھر کے اوپر ایک فارمیشن بنا کر پہنچ چکے تھے۔ اس شہر کا ایک چکر کاٹ کر یہ طیارے موافق ائیر بیس پر اتر گئے، جہاں پر چھ ممالک کے طیارے کھڑے تھے۔

داعش اس وقت اپنے عروج پر تھی۔ اس کے کنٹرول میں رقبہ اردن کے پورے ملک سے کہیں زیادہ تھا۔ تیل کی بڑی آمدن تھی۔ دنیا بھر میں اس کے مداح تھے۔ ان کی قائم کردہ خلافت کا مقابلہ آسان نہیں تھا۔ 2015۔۔۔ داعش کے زوال کا آغاز تھا۔

ساتھ لگی تصویر معاذ الکساسبیہ کی بیوہ انوار الطرانویۃ کی ہے۔ جب انہوں نے صرف خبر سنی کہ ان کے شوہر کے ساتھ کیا انجام ہوا ہے تو بے ہوش ہو کر گر پڑیں تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کے آخری وقت کی ویڈیو نہیں دیکھی۔

انجام

شام میں، ترکی کی سرحد کے قریب ادلب کا علاقہ تھا، باریشا کا دیہات۔ 26 اکتوبر 2019 کو رات کی تاریکی میں آپریشن کیلا میولر جاری تھا۔

کیلا میولر امریکہ سے تعلق رکھنے والی چھبیس سالہ انسانی حقوق کی ایکٹیوسٹ تھیں۔ "بغیر سرحدوں کے ڈاکٹر" کی تنظیم کے ساتھ تھیں۔ شام کے مہاجرین کی مدد کے لئے ترکی پہنچی تھیں۔ اس سے پہلے افریقہ میں مہاجرین کے کیمپوں کے لئے کام کر چکی تھیں۔ ترکی میں چھ ماہ کام کر کے وہ 3 اگست 2013 کو حلب پہنچیں۔ ایک ہسپتال میں کام کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی میزبان این جی او نے انہیں منع کیا کہ یہ علاقہ محفوظ نہیں اور واپس چلی جائیں۔ جب وہ ترکی کے لئے بس پر سوار ہونے کے لئے لے جایا جا رہی تھیں تو انہیں اغوا کر لیا گیا۔

میولر کو لونڈی قرار دے کر ابو بکر البغدادی کے تصرف میں دے دیا گیا، ان سے جنسی زیادتی کی جاتی رہی۔ (اس کی تصدیق بعد داعش کے سینئیر راہنما ابو سیاف کی بیوہ نے اپنے اعترافی بیان میں کی، ام سیاف کو اس کی معاونت میں عراق میں سزا سنائی گئی)۔ میولر کی رہائی کے لئے آپریشن کئے گئے، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ ان کی آزادی کی شرط داعش نے عافیہ صدیقی کی رہائی رکھی۔

ڈیڑھ سال قید میں رہنے کے بعد 10 فروری 2015 کو ان کے خاندان کو انکی تصاویر ارسال کر دی گئیں۔ سیاہ حجاب اور چہرے پر خراشیں۔ کیلا میولر اس دنیا میں نہیں رہی تھیں۔

اس آپریشن کا نام کیلا میولر کی یاد میں رکھا گیا۔ ادلب پر بشار الاسد حکومت کا کوئی کنٹرول نہیں تھا۔ باریشا کا دیہات ترک سرحد سے پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اس آپریشن کے لئے روس اور ترکی کو بھی آگاہ کر دیا گیا تھا

تاکہ یہ سب کسی کے لئے سرپرائز نہ ہو۔ شہر سے باہر ایک بڑا کمپاؤنڈ تھا۔ آٹھ عسکری ہیلی کاپٹر اس آپریشن میں شرکت کر رہے تھے۔ ڈیلٹا فورس کے فوجی اس کمپاؤنڈ کے باہر اترے۔ اندر سے نکلنے والوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ کمپاونڈ کی ایک دیوار کو دھماکے سے اڑا دیا گیا۔

بڑی تیزی سے پھیل جانے والی داعش اب آخری دموں پر نظر آ رہی تھی۔ اپنے عروج میں 2015 کو اس تنظیم یہ کوریا یا پرتگال جیسے ممالک سے زیادہ تھا)۔ اس کے چیپٹر) کے پاس ایک لاکھ مربع کلومیٹر سے زیادہ علاقہ تھا۔ عراق اور شام تک ہی نہیں، کانگو، مصر، نائجیریا، فلپائن، ترکی سمیت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ داعش کے ردِ عمل میں بننے والے عالمی اتحادوں نے ان کو ایک ایک کر کے علاقوں سے بے دخل کیا۔ سنجار کے قتلِ عام، لونڈیوں اور غلاموں کی منڈیاں لگانے، لوگوں کو مصلوب کرنے، قتل کو ایک آرٹ بنانے اور اپنا اثر ورسوخ دنیا بھر میں رکھنے والی یہ تنظیم چند سال میں دنیا میں نئے باب رقم کر چکی تھی۔ عراق میں نمرود سے شام میں تدمر کے قدیم اور اہم ترین آرکیولوجیکل نشانوں کو تباہ کرنے، سری لنکا میں خودکش حملے، مصر میں سینا پر روسی مسافر طیارے کو گرانے جیسے کاموں میں ان کا اثر دنیا بھر تک پہنچا۔

اگست 2019 میں بغدادی ایک ویڈیو میں نمودار ہوئے تھے۔ طویل عرصے بعد ان کو دیکھا گیا تھا۔ اس بار وہ موصل کی مسجد کے منبر پر نہیں تھے بلکہ ایک کمرے کے فرش پر دوزانو ہو کر بیٹھے تھے۔ ایک رائفل ان کے ساتھ تھی۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ ان کے گروپ کو کچھ جگہ پر شکست ہو چکی ہے اور اب داعش دفاعی جنگ لڑ رہی ہے۔ اس میں انہوں نے اپنے سپورٹرز کو کہا کہ وہ دشمن کے افراد، معیشت، لاجسٹکس اور ملٹری، جہاں ممکن ہو، نشانہ بنائیں۔ یہ ویڈیو یہ دکھانے کی کوشش تھی کہ ابھی وہی کنٹرول میں ہیں۔ اس سے اگلا پیغام ستمبر میں آیا جو آڈیو تھا اور اس میں بتایا گیا تھا کہ داعش مختلف محاذوں پر روزانہ کاروائیاں کر رہی ہے۔ اور اس کے سپورٹر داعش سے منسلک جنگجوؤں، خواتین اور بچوں کو سیرین ڈیموکریٹک فورس کی جیلوں سے رہائی میں مدد کریں۔ کرد ان ہزاروں مجاہدوں کو باغوز کی جیلوں اور کیمپوں میں قیدی بنا چکے ہیں۔

ہیلی کاپٹر سے اترنے والی فوج اب کمپاؤنڈ کے اندر تھی۔ پچیس ملین ڈالر انعام ان پر تھا۔ بغدادی کا پتا اور جگہ کا اندرونی احوال کی تفصیلات ایک مخبر نے بتادی تھیں۔ اس مخبر کو بھرتی کرنے میں کرد فورس نے مدد کی تھی۔ اس کی مدد سے سمگلنگ رنگ توڑا گیا تھا جو اس گروپ کی نقل و حمل کا کام کرتا تھا۔ بغدادی کی بیوی ان کے ہاتھ آگئی تھیں۔ ان کے سالے محمد علی ساجد الزوبے کی گرفتاری سے سرنگوں اور بغدادی کی ٹھیک جگہ کا پتا لگ گیا تھا۔ داعش کو لاجسٹکس میں مدد کرتا تھا۔ اس کی اور انٹیلیجنس ذرائع سے نگرانی سے یہ کنفرم ہو گیا تھا کہ مخبر بغدادی اس روز اپنے کمپاؤنڈ میں تھے۔ جب ڈیلٹا فورس یہاں پہنچی تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔

بغدادی کی موت کی افواہ جون 2017 میں بھی آئی تھی جب روس نے کہا تھا کہ ایک فضائی حملے میں وہ بغدادی کو نشانہ بنا چکا ہے لیکن اس سے اگلے ماہ داعش نے بغدادی کی آڈیو جاری کی تھی جس میں انہوں نے ان کا مذاق اڑایا تھا اور کہا تھا کہ "جنگ کی آگ میں ہمارے دشمن جھلسیں گے"۔

اگلی افواہ ستمبر 2018 میں آئی تھی جب مشرقی شام کو داعش سے خالی کرواتے ہوئے، ہجین میں شکست کے دوران کردوں نے یہ دعویٰ کیا تھا۔ یہ خبر بھی غلط نکلی۔

میں شام میں باغوز وہ آخری جگہ تھی جہاں سے داعش کو بے دخل کر دیا گیا۔ بغدادی کی خلافت کا 2019 مارچ خاتمہ ہو چکا تھا۔ ادلب بھی اس وقت جہادی گروپ حیاۃ تحریر الشام کے قبضے میں تھا۔ یہ کمپاونڈ تنظیم حراس الدین کے کمانڈر ابو محمد الحلبی کا تھا۔ امریکی صدر ٹرمپ شام کی جنگ سے امریکہ کو باہر نکالنا چاہتے تھے۔ جانے سے پہلے بغدادی ایک بڑا پرائز تھے۔ انہوں نے اپنی انٹیلیجنس کو اس بارے میں صاف ہدایت کر دی تھی۔ پچھلے پانچ ماہ سے ابو بکر البغدادی کی تلاش اولین ترجیح تھی۔ اس آپریشن میں شرکت کرنے والے سو فوجی اب کمپاؤنڈ کے اندر تھے۔

یہ آپریشن دو گھنٹے جاری رہا۔ اس میں ہلاک ہونے والے لوگوں کی کل تعداد بیس کے قریب تھی جن میں ابو بکر بھی شامل تھے۔ ڈیلٹا فورس اس کمپاونڈ کو تباہ کر کے یہاں سے صبح ساڑھے تین بجے رخصت ہو گئی۔ البغدادی داعش کی طرف سے اس بار اس کی تردید نہیں آئی۔ آپریشن کیلا میولر کامیاب رہا۔

داعش کے اعماق میڈیا نے چار روز بعد اس کی تصدیق کر دی۔ ابو ابراہیم الہاشمی القریشی داعش کے نئے سربراہ بنے۔ داعش کے ترجمان حمزہ القریشی نے پیغام جاری کیا" امریکہ کے پاگل بڈھے صدر کو خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ داعش بغدادی کی موت کا بدلہ لے گی"۔

بغدادی کی ہلاکت کی خبر پر دنیا بھر سے ری ایکشن فوری آنا شروع ہو گیا۔ ترک صدر رجب اردگان نے ٹویٹ کیا کہ یہ دہشتگردی کے خلاف ایک اہم سنگِ میل ہے۔ سعودی شاہ نے امریکی صدر کو مبارکباد بھیجتے ہوئے کہا کہ انتہاپسندی کے خلاف یہ ایک تاریخی قدم ہے۔ مصر، افغانستان، اسرائیل، اردن، بحرین، فرانس، جاپان، فلپائن، آسٹریلیا، برطانیہ کی طرف سے اس کامیابی پر پیغامات جاری کئے گئے۔ برطانیہ اور فرانس نے ساتھ یہ اضافہ کیا یہ اگرچہ یہ اہم ہے لیکن یہ ایک شخص کی موت ہے، تنظیم ابھی باقی ہے (ان تمام پیغامات کی تفصیل آخر میں دئے لنک سے)۔

داعش بڑی حد تک ختم ہو چکی۔ اس کے پاس سے تمام علاقے چھن گئے۔ البتہ، دنیا بھر میں اس کے نہ صرف حامی اور ہمدرد موجود ہیں بلکہ کارروائی کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اس آپریشن کی کامیابی کے بعد داعش سے منسلک تنظیمیوں نے کامیابی سے تاجکستان اور ازبکستان کی سرحد پر حملہ کیا، نائجیریا سے گیارہ لوگوں کے سر قلم کئے جانے کی ویڈیو جاری کی، جنوبی فلپائن میں حملہ کیا۔ شام اور عراق میں ان سے منسلک تربیت یافتہ جنگجو اگرچہ منظم نہیں لیکن موجود ہیں۔ افریقہ میں ساحل کا غیر مستحکم علاقے میں ان سے منسلک گروپ یہاں پر سر درد ہیں۔ برکینا فاسو، چاڈ، مالی، ماریطانیہ اور نائجر کی حکومتوں نے ملکر اس بڑھتے خطرے کے خلاف فورس قائم کی ہے۔

داعش اپنے جیسی دوسری تنظیموں کی طرح عسکری میدان میں جلد شکست کھا گئی۔ اس کے بڑے پیمانے پر منظم ہو جانے کی صلاحیت نہیں رہی۔ اس کی فکری پسپائی ہو چکی۔ سیاہ جھنڈے ہر جگہ سے اتار لئے گئے۔ اس کے

حامیوں کو زیرِ زمین دھکیل دیا گیا۔

البغدادی کی موت اس تنظیم کے لئے دھچکا ہے۔ القاعدہ کی طرح داعش بھی اپنے عروج کی پرچھائیں رہ گئی ہے۔ لیکن، ابھی یہ باب ختم نہیں ہوا۔

حوالہ جات

اس کو لکھنے کے لئے ان کتابوں سے مدد حاصل کی گئی۔

Black Flags: Rise of ISIS: Joby Warrick

Our Last Best Chance: Pursuit of Peace in Time of Peril: Abdullah bin Hussein

The Targeter: Hunting Terrorists and Challenging the White House: Nada Bakos

خبروں کے لئے الجزیرہ، عرب نیوز، واشنگٹن ٹائمز، نیویارک ٹائمز، جورڈن ٹی وی سے مدد لی گئی۔
جہادی ذرائع السحاب، الفرقان، الحیات اور اَعماق نیوز ایجنسی سے لیا گیا مواد شامل ہے۔